مدیرِ اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

275

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

دسمبر ۲۰۰۳ء

۲ اسلامی تہوار اور دم توڑتی تہذیبی روایات

۳۰ یہودیوں کے حق تولیت کے 'اشراقی' علمبردار II

۶ اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اور چند جدید مسائل II

مجلس التحقیق الاسلامی

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدث

لاہور

حافظ عبدالرحمن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

جلد ۳۵ / شمارہ ۱۲
شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
دسمبر ۲۰۰۳ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

اسلامی تہوار اور دم توڑتی تہذیبی روایات! — حافظ حسن مدنی — ۲

معیشت و اقتصاد

اسلام کا نظام زکوٰۃ اور چند جدید مسائل II — حافظ مبشر حسین لاہوری — ۶

اسلام اور صہیونیت

یہودیوں کے حق تولیت کے 'اشراقی' علمبردار II — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۳۰

یاد رفتگاں

مولانا محمد یحییٰ فیروز پوریؒ — محمد رمضان سلفی — ۵۱

اداریات

اشاریہ ماہنامہ محدث [سال ۲۰۰۳ء] — شاہد حنیف شاہد — ۶۲

زرسالانہ ۲۰۰/روپے
فی شمارہ ۲۰/روپے

بیرون ممالک
زرسالانہ ۲۰/ڈالر
فی شمارہ ۲/ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

اسلامی تہوار اور دم توڑتی تہذیبی روایات!

قومیں اپنے مضبوط تہذیب وتمدن سے پہچانی جاتی ہیں اور تہذیب کے نشو وارتقا میں مذہبی تصورات کے ساتھ ساتھ مذہبی تہواروں کو بھی غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ زندہ قومیں اپنے تہوار بڑی گرم جوشی اور جوش وخروش سے مناتی ہیں کیونکہ یہ تہوار ان کی ثقافتی وحدت اور قومی تشخص کا شعار سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی تہواروں میں جہاں عید الفطر کو ایک غیر معمولی تہوار کی حیثیت حاصل ہے، وہاں رمضان المبارک کا پورا مہینہ بھی مسلم معاشروں میں مخصوص روایتی جوش وخروش سے منایا جاتا ہے۔اس ماہ کی آمد کے ساتھ ہی ثقافت میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوتی اور مسلم معاشرے کی عادات یکسر طور پر تبدیل ہوجاتی ہیں اور ہر شے پر ایک مخصوص نورانی رنگ نظر آنے لگتا ہے۔

مذہبی تہواروں کو روایتی شان وشوکت سے منانا قوم سے وابستہ افراد میں اعتماد پیدا کرتا ہے اور ان میں دوسری قوموں سے برتر ہونے کا احساس اجاگر کرتا ہے۔ ایک قوم کے افراد کا آپس میں تفاخر اور برتری کا اظہار تو کوئی پسندیدہ امر نہیں لیکن قوموں کی برادری میں بہر حال یہ ایک مطلوب امر ہے۔ اپنے تہواروں سے وابستگی اور دیگر قوم کے تہواروں سے لاتعلقی ہمارے جسدِ قومی کی بقا اور تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ تشریف آوری کے بعد وہاں کے علاقائی تہواروں کو منانے کے بجائے مسلمانوں سے فرمایا:

قد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الأضحى ويوم الفطر (سنن ابوداود)

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں (جاہلیت کے تہواروں سے کہیں بہتر) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دن عطا فرمائے ہیں''

عید الفطر اور عید الاضحیٰ مسلمانوں کے نہ صرف دو مرکزی تہوار ہیں بلکہ ان سے روایتی جوش وخروش اور ہمارے بہت سے تہذیبی اطوار بھی وابستہ ہیں لیکن فکر کا مقام یہ ہے کہ مسلم

www.KitaboSunnat.com

معاشروں میں ان کا یہ مقام ومرتبہ روز بروز کم ہوتا جارہا ہے۔نئی نسل میں عیدین کے موقع پر وہ جوش وخروش نظر نہیں آتا جو ہمارے ہاں چند سالوں سے رواج پاجانے والے بعض نئے تہواروں کے ساتھ خاص ہوتا جارہا ہے۔عیدین تو مسلمانوں کی عالمی وحدت کی علامت اور اسلامی شعار کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے بالمقابل دیگر علاقائی تہوار نہ صرف یہ کہ مذہبی بنیادوں پر نہیں ہیں بلکہ ان سے لہو ولعب اور فسق وفجور کا بھی گہرا تعلق وابستہ ہے۔اس کے باوجود شہروں میں عید کے روز وہ گرم جوشی بھی دیکھنے میں نہیں آتی جو چاند رات کو بوجوہ حاصل ہوچکی ہے۔چند سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں عید کا شایانِ شان استقبال کیا جاتا، سڑکوں، چوراہوں پر بڑے بڑے بینرز اور آرائشی گیٹ آویزاں کئے جاتے، ہر چند کہ تبذیر واسراف کا پہلو ان میں قابل تحسین نہیں لیکن اس جوش وخروش سے ملی وحدت اور مذہبی یگانگت کو بڑا فائدہ ہوتا۔عید الفطر کے موقع پر مخصوص پکوانوں کی تیاری، عید الاضحیٰ پر قربانی کے جانوروں کی ناز برداریاں ابھی چند برس پہلے بڑی مستحکم روایات تھیں، جو ہمارے شہروں میں بڑی تیزی سے مائل بزوال ہیں۔ان تہذیبی روایات کے علاوہ عیدین کا اسلامی تشخص بھی ہے۔مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے مخصوص اسلوب میں عید کی حقیقت یوں بے نقاب کرتے ہیں:

''عید اگر شعائرِ اسلام کو قائم رکھتی ہے، مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے، مذہب کے کارنامہ اعمال کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، عہدِ محبت ومیثاقِ الٰہی کی تجدید کرتی ہے، تمام مسلمانوں کے درمیان سفارت کا کام دیتی ہے تو بلا شبہ وہ عید ہے..... ورنہ وہ صرف کھجور کی ایک گٹھلی ہے جس کو ایک سنت کے احیا کے لیے ہم علی الصباح کھا کر پھینک دیتے ہیں۔

.....عید محض سیر وتفریح، عیش ونشاط، لہو ولعب کا ذریعہ نہیں ہے۔وہ تکمیل شریعت کا ایک مرکز ہے وہ سطوتِ خلافت الٰہی کا ایک مظہر ہے، وہ توحید ووحدانیت کا منبع ہے، وہ خالص نیتوں اور پاک دلوں کی نمائش گاہ ہے۔اس کے ذریعے ہر قوم کے مذہبی جذبات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اگر وہ اپنی اصلی حالت میں قائم ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مذہب اپنی پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے۔اگر وہ مٹ گئی ہے یا بدعات ومزخرفات نے اس کے اصل مقاصد کو چھپا دیا ہے تو یقین کرلینا چاہیے کہ اس مذہب کا چراغ بجھ رہا ہے۔'' (الہلال: ۲۸/اکتوبر ۱۹۱۳ء)

مشینی دور میں مادّیت سے معمور مصروفیت نے بھی ان تہواروں میں ہماری دلچسپی اور

www.KitaboSunnat.com

روایات کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ بعض لوگوں کو عید کے دن ہی اپنے کام سے آرام لینے اور نیند پوری کرنے کا موقع ملتا ہے۔ چاند رات کی غیر معمولی مصروفیت اور دو تہائی رات تک شب خیزی سے بھی عید کا دن تھکاوٹ اُتارنے میں گزر جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ گزشتہ ۵۰ برسوں میں انسان نے ترقی کے اس قدر مراحل طے کئے ہیں جس کی سابقہ پوری تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہی بات ان الفاظ میں بھی کہی جاتی ہے کہ سابقہ معلوم تاریخ کا پورا علم آخری ۵۰ برسوں میں دوگنا ہوگیا ہے۔ وفاقی وزیر سائنس ڈاکٹر عطاء الرحمٰن نے چند روز پہلے ایک سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اگر ایجاد ودریافت کا یہ عمل اسی طرح جاری رہا تو آئندہ ۱۰ر برسوں میں سابقہ تمام علم دوگنا ہوسکتا ہے۔

سائنس وٹیکنالوجی کی حد تک ممکن ہے یہ بات درست بھی ہو، آج سے ۲۰ سال قبل جو باتیں حاشیہ خیال میں بھی نہ آتی تھی، آج اٹل حقیقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ۱۰ برس قبل آنے والے کمپیوٹرز اور موبائل فونز آج ترقی یافتہ دنیا سے نکل کر ترقی پذیر ملک کے ہر فرد کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ لیکن دوسری طرف دیکھا جائے تو اس عرصے میں کریمانہ اخلاق اور خصائل حمیدہ ارتقا کی بجائے بڑی تیزی سے رو بہ تنزل ہیں۔ انسان نے مادّہ کی دوڑ میں سالوں کا سفر چند جستوں میں طے کرلیا ہے تو شرافت ومتانت اور دیانت وامانت میں وہ اپنے آباؤ واجداد سے بہت پیچھے چلا گیا ہے بلکہ یہاں انسانیت کو بھی اس نے شرمندہ کردیا ہے۔ یہاں رجعتِ قہقریٰ بڑی تیزی سے جاری ہے!!

اسی سائنسی تطور اور جدید ٹیکنالوجی نے ہر فرد کو مسحور اور مسخر کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیب میں بہت جلد تبدیلیاں بپا کی ہیں۔ علم وارتقا کے تیز تر سفر کے ساتھ تہذیب وتمدن کا سفر بھی بڑی تیزی سے جاری ہے۔ تہذیبوں میں تبدیلیاں اس قدر تیزی سے آرہی ہیں کہ ہر آنے والا دن پچھلے دن سے مختلف ہے اور چند سال پہلے کا تذکرہ قصہ ماضی لگتا ہے۔

عیدوں کی تیاری میں جو سرگرمیاں کئی روز پہلے شروع ہوتیں، اور اس کی سہانی یاد کئی دن تک ساتھ دیتی، اب عید کے روز ہی دم توڑنے لگتی ہے۔ رمضان المبارک میں حاصل کی گئی تربیت عید گزرتے ہی اثر کھونے لگتی ہے اور انسان دوبارہ اسی مصروف زندگی کا کل پرزہ بن کر مشینی تہذیب میں گم ہوجاتا ہے جہاں اس کے روز وشب کے پرانے معمولات ہیں اور اپنی

www.KitaboSunnat.com

پریشانیوں سے چھٹکارا پانے اور خواہشات کے حصول کی وہی دوڑ!!

ٹیکنالوجی کی معراج انفارمیشن سائنس یعنی ابلاغی آلات نے ہمارے تہذیبی رویوں کو بدلنے اور انہیں اپنے ڈھنگ میں ڈھالنے کا فریضہ بڑی چالاکی سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ ابلاغ کے ان محیر العقول ذرائع پر جن ذہنوں کی اِجارہ داری ہے، ان کے نزدیک دنیا کا تصور 'لہو ولعب' سے زیادہ نہیں۔ اگر ذرائع ابلاغ پر قابض اور ہمارے فکر وذہن پر مسلط یہ طبقہ خود گم گشتہ راہ ہے اور ہدایت کی بجائے ظلمت کی تاریکیوں میں بستا ہے تو نادانی اور جہالت کا یہ زہر وہ تمام دنیا کے ذہنوں میں بھی پوری شدت سے اُنڈیل رہا ہے۔ اس کے بالمقابل دینی فکر اور معاشرتی روایات کو شدید چیلنج درپیش ہیں۔

اس دور میں اُس ابلاغی تسلط اور تحکم جو ہر دم ہمارے قلب وذہن پر اثر جمانے کی تاک میں ہے، سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر بہانے کی بجائے اپنی آنکھیں خود کھول کر حقائق سے آگاہ اور خبردار رہا جائے۔ اپنی روایات میں سے اچھی باتوں کا تعین کرکے انہیں زندہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ قوم کے سنجیدہ فکر افراد اپنی تہوراوں اور مذہبی شعارات کے بارے میں معمولی سی حساسیت بھی دکھائیں تو ان کے مقابل آنے والا ہر تیر انہیں بخوبی نظر آنے لگے گا اور وہ اس سے اپنی قوم کو بخوبی آگاہ کرسکیں گے۔

نئی نسل ہمارے روشن مستقبل کی ضامن ہے، دیگر مسلم معاشروں کی طرح ہماری نوجوان نسل بھی لہو ولعب اور صنفی سیلاب میں بہنے لگی تو پھر صبح نو کی آرزو دم توڑ دے گی اور نئی سحر طلوع ہونے سے پہلے شبِ تاریک کو ظلمتِ دوام عطا کرے گی۔ نئی نسل کی دلچسپیاں اور اس پر مستزاد کیبل وانٹرنیٹ کی تاریکیاں ہمیں قومی سطح پر بہت کچھ سوچنے کا پیغام دیتی ہیں !!

اگر خوشی کے لمحات بھی ہمارے اپنے نہیں بلکہ غیروں کے عطا کردہ ہیں۔ عیدیں ہمیں وہ مسرت نہیں دیتیں جو بسنت اور ویلنٹائن ڈے جیسے بیہودہ دنوں میں نوجوانوں میں نظر آتی ہے، عیدوں میں گرم جوش شرکت کو بیک ورڈ اور رجعت پسندی سمجھا جاتا اور غیروں کے تہواروں میں پرجوش شرکت کو جدت پسندی اور ماڈرن ہونے کی ضمانت اور علامت بتایا جاتا ہے تو پھر ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے جسدِ قومی کو خطرناک سرطان لاحق ہے جس سے پیچھا چھڑانے کی ہمیں جلد از جلد تدبیر کرنا ہوگی!!

(حافظ حسن مدنی)

(ترمذی وحاکم ...) ... پرنے کی

www.KitaboSunnat.com

معیشت واقتصاد

حافظ مبشر حسین لاہوری

قسط نمبر۲

اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اور چند جدید مسائل

نصابِ زکوٰۃ کے حوالے سے شریعت دو پہلوؤں سے گفتگو کرتی ہے: ایک تو یہ کہ کون کون سا مال موجبِ زکوٰۃ ہے اور دوسرا یہ کہ اس مال کی کتنی مقدار پر کس قدر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے گی۔

موجبِ زکوٰۃ اموال کون سے؟

شریعت نے جن اَموال پر زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

(i) حیوانات *(ii)* سونا، چاندی (اور نقدی، کرنسی) *(iii)* زمینی پیداوار (ان کی زکوٰۃ کو فقہی اصطلاح میں 'عشر' سے موسوم کیا جاتا ہے) اور *(iv)* تجارتی اموال ان کی مزید تفصیل حسبِ ذیل ہے:

❶ حیوانات کی زکوٰۃ

حیوانات کی زکوٰۃ سے متعلقہ چند اہم شروط درج ذیل ہیں:

① **ایک سال کا دورانیہ:** حیوانات پر زکاۃ کے لئے ضروری ہے کہ ان پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو، اس شرط کی تفصیل گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

② **حیوانات سائمہ (چرنے والے) ہوں:** حیوانات کے حوالے سے دوسری شرط یہ ہے کہ متعلقہ حیوانات پورا سال یا سال کا اکثر و بیشتر حصہ باہر جنگلوں میں چرتے ہوں یا دوسرے لفظوں میں انہیں چارہ ڈالنے کا کوئی خرچہ نہ آتا ہو (ایسے جانوروں کو احادیث میں 'سائمۃ' سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ لیکن اگر پورے سال یا سال کے اکثر حصے کا چارہ قیمتاً حاصل کیا جاتا ہو تو پھر ان جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

www.KitaboSunnat.com

i) "في كل خمس من الابل السائمة شاة" (حاکم:۱/۳۹۶)

''ہر پانچ سائمہ (باہر جنگل میں چرنے والے) اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔''

ii) "في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون"

(ابوداؤد:۱۵۷۵، احمد:۴/۲/۵، نسائی:۲۴۴۹)

''ہر چالیس سائمہ (باہر چرنے والے) اونٹوں پر ایک بنت لبون (وہ اونٹنی جس کا تیسرا سال شروع ہو) زکوٰۃ پڑتی ہے۔''

iii) "في صدقة الغنم في سائمتها إذا كانت أربعين إلى عشرين ومائة شاة" (بخاری:۱۴۵۴، ابوداود:۱۵۶۷)

''چالیس سے ۱۲۰ تک سائمہ بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے۔''

واضح رہے کہ 'سائمۃ' کے الفاظ اونٹوں اور بکریوں کے بارے میں ہیں تاہم جمہور فقہا نے اس پر قیاس کرتے ہوئے گائیوں کے بارے میں بھی یہی شرط بیان کی ہے اور وہ احادیث جن میں سائمہ یا غیر سائمہ (معلوفہ) کا کوئی فرق مذکور نہیں، ایسی (مطلق) احادیث کو انہوں نے ان مقید احادیث پر محمول کیا ہے جن میں سائمہ کا ذکر ہے۔ البتہ امام مالک غیر سائمہ پر بھی زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں اور سائمہ کی شرط کو قیدِ اتفاقی قرار دیتے ہیں۔ (حاشیة الدسوقي على الشرح الكبير:ج۱ص۴۳۲، الفقه على المذاهب الأربعة ۱/۵۹۶) لیکن ان کا یہ مسلک أقرب الى السنة معلوم نہیں ہوتا۔

③ **حیوانات 'غیر عاملہ' ہوں:** غیر عاملہ کا معنی یہ ہے کہ وہ جانور افزائش نسل کے لئے ہوں، بار برداری، کھیتی باڑی اور ایسی ہی دیگر خدمات کیلئے نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے:

"ليس على العوامل شيئ" (ابوداؤد:۱۵۷۲، دارقطنی ۲/۱۰۳، نصب الرایۃ ۲/۳۵۳)

''کام کرنے والے جانوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ "حراثة (یعنی ہل چلانے والے) جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔'' (کتاب الاموال:ص۳۸۰ بحوالہ فقہ الزکوٰۃ:۱/۲۳۲)

www.KitaboSunnat.com

مالکیوں اور ایک قول کے مطابق شافعی فقہا کے علاوہ دیگر تمام فقہا کا مذکورہ بالا شرط پر اتفاق ہے۔(الموسوعة الفقهية الكويتية بذيل مادّة 'زكوٰة' نیز دیکھئے الفقه على المذاهب الأربعة ، ایضاً) اور راجح موقف بھی یہی ہے۔اسی پر قیاس کرتے ہوئے فقہا نے ہر طرح کے آلاتِ پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔اس کی مزید تفصیل 'آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ' کے تحت آئے گی۔

④ **حیوانات نصاب کو پہنچ چکے ہوں:** جانوروں کی زکوٰۃ کے حوالے سے چوتھی اہم شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب پر پورے اُتر چکے ہوں اور وہ نصاب درج ذیل ہے:

اونٹوں کی زکوٰۃ

اونٹوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱تا۴	کوئی زکوٰۃ نہیں
۵تا۹	ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی
۱۰تا۱۴	دو بکریاں
۱۵تا۱۹	تین بکریاں
۲۰تا۲۴	چار بکریاں
۲۵تا۳۵	بنتِ مخاض یعنی وہ اونٹنی جو ایک سال پورا کرکے دوسرے میں لگ چکی ہو۔اگر یہ نہ ہو تو پھر ایک مذکر ابن لبون اونٹ (جو دو سال پورے کر چکا ہو)
۳۶تا۴۵	ایک بنتِ لبون (دو سالہ اونٹنی)
۴۶تا۶۰	ایک حقہ (وہ اونٹنی جو تین سال پورے کرکے چوتھے میں داخل ہو چکی ہو)
۶۱تا۷۵	ایک جذعہ (وہ اونٹنی جو چار سال پورے کرکے پانچویں میں لگ چکی ہو)
۷۶تا۹۰	دو بنت لبون اونٹنیاں
۹۱تا۱۲۰	دو حقہ اونٹنیاں (دیکھئے: بخاری:۱۴۵۴)

واضح رہے کہ ۱۲۰ اونٹوں تک جو مقدارِ زکوٰۃ ہم نے ذکر کی ہے، اس پر فقہا کا اتفاق ہے

www.KitaboSunnat.com

البتہ اس سے آگے اختلاف ہے۔ تاہم ۱۲۰ کے بعد جو مسلک ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے اور صحیح احادیث سے بھی جس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ۱۲۰ کے بعد جس قدر بھی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس کی زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہوگا کہ ہر چالیس اونٹوں پر ایک بنتِ لبون اور ہر پچاس اونٹوں پر ایک حقہ دیا جائے گا یعنی اگر کسی کے پاس ۱۸۰/اونٹ ہوں تو اسے دو حقے اور دو بنتِ لبون بطور زکوٰۃ دینا ہوں گی۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے: فتح الباری: ج ۳ رص ۳۱۷، ۳۱۸ اور فقہ الزکوٰۃ: ج ۱ رص ۲۳۵ تا ۲۴۵

گائیوں کی زکوٰۃ

گائیوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۲۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۳۰ تا ۳۹	ایک تبیع (گائے کا وہ بچہ جو دوسرا سال شروع کر چکا ہو)
۴۰ تا ۵۹	ایک مُسنّہ (وہ گائے جو تیسرے سال میں لگ چکی ہو)

۶۰ اور اس سے آگے تعداد کے بارے میں زکوٰۃ کا فارمولا یہ ہے کہ ہر ۳۰ پر ایک تبیع اور ہر ۴۰ پر ایک مسنّہ دیا جائے گا مثلاً اگر ۶۰ گائیاں ہو تو دو تبیع اور ۷۰ گائیاں ہوں تو ایک تبیع اور ایک مسنّہ بطور زکوٰۃ دیا جائے گا۔ دیکھئے ابوداؤد، حاکم: ۳۹۸/۱، سنن بیہقی: ۸۹/۴ اور مجمع الزوائد: ۷۲/۳

بکریوں کی زکوٰۃ

بکریوں کی تعداد	زکوٰۃ
۱ تا ۳۹	کوئی زکوٰۃ نہیں
۴۰ تا ۱۲۰	ایک بکری
۱۲۱ تا ۲۰۰	دو بکریاں
۲۰۱ تا ۳۰۰	تین بکریاں

اسی طرح ہر سو پر ایک بکری بڑھتی جائے گی۔ (دیکھئے فتح الباری: ۳۱۷/۳)

www.KitaboSunnat.com

دیگر 'سائمہ' جانوروں پر زکوٰۃ کا مسئلہ

واضح رہے کہ احادیث میں جن جانوروں کی زکوٰۃ کا تذکرہ موجود ہے وہ صرف تین قسم کے ہیں یعنی اونٹ، گائے اور بکری اس کے علاوہ دیگر جانوروں کے بارے میں شریعت خاموش ہے تاہم سواری کے گھوڑے کو خود نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ سے معاف قرار دیا ہے۔ چونکہ نزولِ وحی کے دور میں اہل عرب کے ہاں یہی تین قسم کے جانور پالے جاتے تھے، اس لئے بطورِ خاص ان کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر جانور مثلاً گدھے، خچر، پولٹری فارم کی مرغیوں اور مچھلی فارم کی مچھلیوں وغیرہ کے بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ متقدمین میں سے ظواہر اور متاخرین میں سے امام شوکانیؒ اور نواب صدیق حسنؒ کے علاوہ جمہور فقہائے اُمت نے اوّل الذکر نوع سے تعلق رکھنے والے جانوروں پر قیاس کرتے ہوئے ثانی الذکر نوع کے حیوانات پر بھی دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض قرار دی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اور عہدِ صحابہ ہی میں جو نیا مسئلہ سامنے آیا وہ گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ تھا۔ نزولِ وحی کے دور میں چونکہ گھوڑا اہل عرب کے ہاں ایک کمیاب جنس تھی اور اس کا استعمال بھی یا تو ذاتی سواری کے لئے ہوتا تھا یا پھر جنگ وحرب کے لئے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کی زکوٰۃ معاف فرما دی تاکہ اگر وہ ذاتی استعمال کے لئے ہے تو پھر مالک (صاحبِ گھوڑا) کو مشقت نہ ہو اور اگر وہ جہاد کے لئے ہے تو اس کی مزید حوصلہ افزائی ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

"لیس علی المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه" (بخاری:۱۴۶۴)

''مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے''

لہٰذا دور حاضر میں بھی جن صحرائی اور پہاڑی علاقوں میں جہاد یا ذاتی سواری کے لئے گھوڑا رکھا جاتا ہے، ان کے مالکان پر اس کی زکوٰۃ لاگو نہیں ہوگی۔ اِلا یہ کہ وہ اسے تجارت کے لئے استعمال کرنے لگیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں آرہا ہے)

جب ایران کی فتوحات شروع ہوئیں اور کثیر تعداد میں گھوڑے حاصل ہونے لگے تو رفتہ

www.KitaboSunnat.com

رفتہ لوگوں نے اسے تجارت کا ذریعہ بنالیا حتیٰ کہ بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ایک ایک گھوڑا سو سو اونٹوں کے بدلے فروخت کیا جانے لگا چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے ان تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ مقرر فرما دی۔ جبکہ کسی صحابی نے اس پر اختلاف نہ کیا بلکہ آپ کے بعد حضرت عثمانؓ وغیرہ بھی تجارتی گھوڑوں پر زکوٰۃ وصول کرتے رہے۔ (فقہ الزکوٰۃ: ج۱ر ص۳۰۵)

گھوڑوں کی زکوٰۃ کے حوالہ سے یہ بات یاد رہے کہ اگر گھوڑے آلاتِ تجارت کے طور پر استعمال ہوں مثلاً ٹانگوں وغیرہ میں جوتے جائیں یا اُجرت پر بار برداری کے لئے استعمال ہوں تو ان گھوڑوں کی اصل مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی بلکہ ان کی آمدن پر زکوٰۃ ہوگی اور اگر گھوڑے بذاتِ خود خرید وفروخت کے لئے رکھے ہوں تو ان کی کل مالیت پر زکوٰۃ ہوگی۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل 'تجارتی اَموال پر زکوٰۃ' کے ضمن میں آئے گی۔ لیکن اگر یہ افزائش نسل کے لئے ہوں اور جہاد یا ذاتی سواری کے استعمال کی بھی نیت نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض فقہا نے انہیں اونٹوں پر قیاس کرتے ہوئے اونٹوں ہی کی شرح زکوٰۃ ان میں واجب قرار دی ہے اور ایسی صورت میں ہمیں بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ (دیکھئے ردّ المختار: ج۲ر ص۲۵، ۲۶)

اسی طرح دیگر جانوروں مثلاً پولٹری فارم کی مرغیوں، مچھلی فارم کی مچھلیوں اور ڈیری فارم کی بھینسوں کو بھی گھوڑوں پر قیاس کیا جائے گا یعنی اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہیں تو ان کی کل مالیت پر سال گزرنے کے بعد چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جبکہ بھینسیں اگر افزائش نسل کے لئے ہوں اور ان میں دیگر شروطِ زکوٰۃ بھی پائی جائیں تو انہیں گائیوں پر قیاس کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اگر ہرن افزائش نسل کے لئے ہوں تو انہیں بکریوں پر قیاس کیا جائے گا اور اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر انہیں مالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا۔

❷ سونا، چاندی اور نقدی پر زکوٰۃ

عرصہ دراز سے سونا چاندی جیسی قیمتی دھاتیں مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہوتی چلی آرہی ہیں مثلاً ان سے زیورات، آلات، برتن وغیرہ بھی بنائے جاتے رہے ہیں اور انہیں بطورِ نقدی (کرنسی) بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ عہدِ نبوی میں بھی ان کے یہ مختلف

www.KitaboSunnat.com

استعمالات موجود تھے۔ آپؐ نے سونے چاندی کے صرف دو مصرف جائز قرار دیتے ہوئے ان پر زکوٰۃ عائد فرمائی۔ ایک مصرف تو ان کا نقدی ہونا تھا اور دوسرا زیورات تھا۔ اگرچہ بعض شبہات کی بنا پر زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدمِ وجوب کے بارے میں فقہا نے اختلاف بھی کیا ہے، تاہم نقدی ہونے کی حیثیت سے ان پر وجوبِ زکوٰۃ کے بارے میں اتفاقِ رائے موجود ہے اور اب چونکہ سونے، چاندی کی جگہ پیپر کرنسی نے لے لی ہے، اس لئے سونے چاندی پر قیاس کرتے ہوئے ان پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دی جائے گی۔ باقی رہا سونا چاندی کا کسی اور محل میں استعمال مثلاً برتن اور آرائشی سامان، دیگر آلاتِ ضرورت وغیرہ تو ان سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ان ممنوعہ چیزوں کو اپنے پاس رکھتا یا ان کی تجارت وغیرہ کرتا ہے تو اس کے ایک حرام کام کے ارتکاب کے باوجود ان چیزوں کی زکوٰۃ اس پر فرض ہے۔ البتہ اس میں سے بھی چند چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ایک تو وہ جو ضرورت اور حاجت کی قبیل سے ہیں مثلاً ایک صحابی کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک لگوائی جس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق انہوں نے سونے کی ناک لگوالی۔ (ابوداؤد؛۴۲۳۲، ترمذی؛۱۷۷۰) اسی طرح بعض صحابہ سے سونے کے دانت لگوانا اور داڑھوں کی بھروائی (Filling) کروانا بھی منقول ہے۔ (المغنی:۴/۲۲۷)

اور دوسری استثنائی صورت آلاتِ حرب کی ہے کیونکہ احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ صحابہؓ سے یہ بات ثابت ہے کہ تلوار کا خول، قبضہ، دستہ وغیرہ میں سونے اور چاندی کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (المغنی: ایضاً)

زیورات پر زکوٰۃ

سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ کے حوالہ سے اہل علم میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فقہا کی ایک بڑی تعداد نے زیورات کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے دو طرح سے استشہاد کیا ہے ایک تو بعض روایات سے استشہاد کیا ہے اور دوسرا اسے ذاتی استعمال کی اشیا پر قیاس کیا ہے۔ جب کہ ان

www.KitaboSunnat.com

کے برعکس بعض فقہا جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں، زیورات پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض صحیح احادیث بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا مسئلہ میں راقم کی تحقیق یہ ہے کہ زیورات پر عدم زکوٰۃ کے حوالہ سے جن روایات سے استشہاد کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی بسند صحیح ثابت نہیں جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں زیورات پر وجوب زکوٰۃ کی صاف تائید ہوتی ہے اور ان صحیح احادیث کی موجودگی میں زیورات کو ذاتی استعمال کی اشیا پر قیاس کر کے زکوٰۃ سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔☆ اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث ملتی ہیں، بغرضِ اختصار ان میں سے ایک درج کی جاتی ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''ایک عورت اپنی بیٹی کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روز قیامت ان کنگنوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دیں؟ تو اس نے وہ کنگن اتار کر آپ کی خدمت میں ڈال دیئے اور کہا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے پیش کرتی ہوں۔''

(احمد: ۲/۱۷۸، ۲۰۴، ابوداود: ۱۵۶۳، نسائی: ۲۴۷۹، بیہقی: ۴/۱۴۰)

واضح رہے کہ اس حدیث کی تائید کرنے والی کئی اور احادیث بھی موجود ہیں جنہیں شارحِ ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کرنے کے بعد اسی رائے

☆ سونے چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ سے متعلقہ احادیث کی صحت میں کلام ہونے کی بنا پر اس کا مناسب حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی مال کے حق کے طور پر اگر نہ کی جائے تو کم از کم اشخاص کے حق کے طور پر ضرور کر دی جائے کیونکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اشخاص کا حق کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں عام لوگ اکثر کوتاہی کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے غریب رشتہ دار اور متعلقہ خدام ومساکین بھی معاشرے میں بے اعتنائی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر زیورات کی زکوٰۃ نکال کر ایسے متعلقین پر اسے خرچ کر دیا جائے تو شرعی احتیاط پر عمل بھی ہو جائے گا اور کسمپرسی کے شکار مستحقین بھی مستفید ہوسکیں گے اور اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم صدقہ کی صورت میں موجود ہے۔ اِن شاء اللہ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

کو ترجیح دی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے جب کہ سعودی عرب کے جید علما کا بھی یہی فتوی ہے کہ زیورات پر زکوٰۃ دی جائے گی بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائیں۔

(دیکھئے: فتاویٰ ابن باز؛ ج۱۴ص ۹۷، فتاوی اللجنۃ الدائمۃ؛ ج۹ص ۲۶۵)

سونے چاندی کا نصاب: اگر پانچ اوقیہ (تقریباً دو سو درہم) چاندی یا ۲۰ مثقال (تقریباً ۲۰ دینار) سونا سال بھر موجود رہے ہوں تو ان پر چالیسواں حصہ (یعنی چاندی کے پانچ درہم اور سونے کا آدھا دینار) بطورِ زکوٰۃ دیا جائے گا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے:

(i) حضرت جابرؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«لیس فیما دون خمس أواق من الورق صدقة» (احمد:۳/۲۹۶، مسلم:۹۸۰)

''پانچ اوقیہ (مساوی دو سو درہم) سے کم (ورق/چاندی) پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

(ii) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر ایک سال کا عرصہ گزر جائے تو ان میں سے پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ دو اور اسی طرح اگر تمہارے پاس بیس دینار سونا سال بھر رہا ہو تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہے، اگر ایسا (یعنی یہ دونوں شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط پوری) نہ ہو تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں۔'' (ابوداود:۱۵۷۳)

واضح رہے کہ اس حدیث کی سند میں اگرچہ ضعف ہے تاہم یہی مسئلہ اجماعِ امت سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے الاجماع لابن المنذر: ص۴۴، موسوعۃ الاجماع:۱/۴۸۳)

درہم و دینار کی مقداریں: جس طرح مختلف اَدوار میں درہم و دینار کے اوزان میں فرق پیدا ہوتا رہا ہے، اسی طرح ان سے حاصل مقداروں میں اہل علم کا اختلاف بھی رہا ہے۔ درہم جو چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا، اس کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی کے حساب سے اور دینار جو سونے کا سکہ تھا، اس کی مقدار ساڑھے سات تولہ سونا کے حساب سے معروف ہے، لیکن بعض اہل علم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے دونوں کا وزن اس سے کم نکالا ہے۔ جیسا کہ جماعۃ الدعوۃ کے نائب امیر مولانا عبدالسلام صاحب اپنی کتاب 'احکامِ زکوٰۃ وعشر' (ص۲۳، ۲۴) میں رقمطراز ہیں:

''لیکن تحقیق کے مطابق بیس دینار سونے اور دو سو درہم چاندی کا وزن مندرجہ بالا مقداروں

www.KitaboSunnat.com

(یعنی ساڑھے سات تولہ سونے اور ساڑھے باون تولہ چاندی .....ناقل) سے کم بنتا ہے۔ چنانچہ شیخ ابوبکر الجزائری نے 'الجمل فی زکوٰۃ العمل' (ص ۲۷، ۲۸) میں اور دکتور عبداللہ بن محمد بن احمد العطار نے 'الزکوٰۃ' میں بیس دینار کو ستر گرام سونے کے برابر اور دو سو درہم کو ۴۶۰ گرام چاندی کے برابر قرار دیا ہے۔ان حضرات نے ایک دینار کا وزن، ساڑھے تین گرام سونا اور ایک درہم کا وزن 2.3 گرام چاندی قرار دیا ہے۔مفتی عبدالرحمٰن الرحمانی نے بھی اپنے رسالہ 'المیزان فی الاوزان' میں اسی کو درست قرار دیا ہے۔یہ مقدار عام معروف مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولے سونے سے کافی کم ہے مگر تحقیق پر مبنی ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سونا یا چاندی اس نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ ادا کی جائے۔''

معروف اوزان کے مقابلہ میں اس 'نئی تحقیق' پر ہمیں اختلاف ہے اس لیے کہ اس سلسلہ میں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایک درہم شرعی 7/10 دینار کے برابر ہوتا تھا اور درہم و دینار کا وزن معلوم کرنے کے لیے متقدمین کے ہاں جو یا چاولوں کے دانے استعمال ہوتے تھے۔اس لیے چند حنفی اور ظاہری فقہا کے علاوہ باقی تمام اہل علم کا اس بات پر بھی اتفاق رہا ہے کہ ایک دینار (مثقال) کا وزن جو کے ۷۲ دانوں کے برابر ہے اور دینار کی مناسبت سے درہم کا وزن 50.4 جو کے دانوں کے برابر ہے۔(دیکھئے: مقدمہ ابن خلدون: ص ۲۳۶)

لیکن جب ۷۲ یا 50.4 جو کے دانوں کو جدید پیمانوں پر تولا جاتا ہے تو دانوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے وزن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے حتی کہ اگر بعض نے ۷۲ دانے جو کو ساڑھے تین گرام کے برابر قرار دیا ہے تو بعض نے ۶۶ دانوں کو 4.25 گرام ثابت کر دکھایا۔گویا جب تک جو کے دانوں کا اختلاف رہے گا تب تک مذکورہ اوزان میں بھی اختلاف رہے گا۔اس کا سب سے مناسب اور معقول طریقہ یہی ہے کہ جس درہم اور دینار کے وزن کو ۷۲ اور 50.4 دانوں کے برابر قرار دیا گیا اور اُمت کا اس پر اجماع ہو گیا تھا، اس درہم اور دینار کو تلاش کر کے دانوں کے دیسی طریقہ سے ان کا وزن کرنے کی بجائے اب جدید پیمانوں پر ان کا وزن نکال لیا جائے اور فی الواقع بعض محققین نے ایسا کیا بھی ہے۔چنانچہ انہوں نے تحقیق کا حق ادا کرتے ہوئے لندن، برلن، پیرس وغیرہ کی لائبریوں اور عجائب گھروں

www.KitaboSunnat.com

سے وہ سکے ڈھونڈ نکالے اور جس دینار کے وزن ۷۲ جو کے دانے کے برابر ہونے پر اُمت کا اجماع تھا، اسے جب سائنٹفک پیمانوں پر تولا گیا تو وہ 4.25 گرام ثابت ہوا اور اس مناسبت سے درہم 2.975 گرام کے برابر نکلا۔ اس حساب سے سونے کا وزن تقریباً ۸۵ گرام اور چاندی کا ۵۹۵ گرام بنتا ہے اور انہی اوزان کو اگر 'تولوں' میں بدلا جائے تو یہ پاک وہند کے معروف وزن یعنی ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی ہی کے قریب نکلتے ہیں۔لہٰذا پاک وہند کے علما کی یہی معروف تحقیق صحیح ہے اور سائنٹفک اُصول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔البتہ اتنی بات یاد رہے کہ موجودہ دور میں سنیاروں کے معیاری اوزان کی مناسبت سے ساڑھے سات تولہ سونا تقریباً ۸۷ گرام اور ساڑھے باون تولہ چاندی تقریبا ۶۱۲ گرام بنتی ہے اور یہ کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔شائقین تحقیق اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے درج ذیل کتب کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں:

فقه الزکوٰة از یوسف قرضاوی: ج۱ص۳۵۱ تا۳۶۲، المیزان فی الاوزان از مفتی عبدالرحمٰن رحمانی، فتاویٰ اللجنة الدائمة: ج۹ص۲۵۲ تا ۲۵۷، مجموع فتاویٰ ابن باز: ج۱۴ص۸۲،۸۳، فتاوی علمائے اہلحدیث: ج۷ص۸۶تا۹۱، الزکوٰة واحکامها از سلمان الغاوجی، احکام ومسائل از حافظ عبد المنان نور پوری: ج۱ص ۲۸۰ تا ۲۸۴، الموسوعة الفقهية بذيل مادّة 'دينار' و'درهم'، الفقه على المذاهب الأربعة: ج۱ص ۶۰۱، الخراج والنظم المالية از ڈکٹور محمد ضیاء الریس (ص۳۵۲).....وغیرہ

زکوٰۃ کے لیے سونے چاندی کو اکٹھا کرنا

زکوٰۃ کے لیے سونے اور چاندی کو ملا کر زکوٰۃ کا نصاب بنانے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔جمہور فقہا (امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد وغیرہ) انہیں ملانے کے قائل ہیں جب کہ امام شافعی اور داود ظاہری وغیرہ انہیں یکجا کرنے کے قائل نہیں۔ابن رشد مالکی کے بقول اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ گائے، بکری کی طرح سونا، چاندی دو الگ الگ چیزیں (عین) ہیں یا پھر راس المال اور کرنسی ہونے کی حیثیت سے یہ ایک ہی ذات کا حکم رکھتے ہیں؟ جنہوں نے

www.KitaboSunnat.com

انہیں دو الگ ذاتیں قرار دیا وہ انہیں اکٹھا کرنے کے قائل نہیں اور جنہوں نے ایک ہی ذات کے حکم میں انہیں شمار کیا وہ انہیں کرنسی ہونے کی حیثیت سے اکٹھا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

بہرحال اس مسئلہ میں کوئی صریح دلیل نہیں ملتی کہ انہیں باہم ملا کر نصاب بنایا جائے اور عہد ِصحابہ میں بھی ان کے مستعمل ہونے کے باوجود انہیں ملا کر نصاب بنانے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا تو یہی ہے کہ انہیں آپس میں ضم کر کے نصاب نہ بنایا جائے۔ واللہ اعلم!

اگر چاندی کے ساتھ روپے (کرنسی) یا سامانِ تجارت وغیرہ بھی ہو تو پھر بھی یہ اختلاف تو ہے کہ ان تینوں چیزوں کو اکٹھا کیا جائے یا نہیں، البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سامانِ تجارت کی قیمت اور دیگر نقدی کو سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جائے بشرطیکہ نقدی ملانے سے مجموعی رقم حدنصاب کو پہنچ جائے۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بدایۃ المجتہد: ۳/۸۵ تا ۸۷، المغنی: ۴/۲۰۹ تا ۲۱۱، حاشیہ ابن عابدین: ۲/۳۴ اور حاشیہ الدسوقی: ۱/۴۵۵

موجودہ کرنسی اور نصابِ زکوٰۃ

اب ایک عرصہ سے سونے، چاندی کے سکوں کی جگہ پیپر کرنسی نے لے رکھی ہے، اس لئے اب اسی نقدی پر زکوٰۃ ہوگی اور اس میں کوئی مؤثر اختلاف نہیں تاہم اس بات پر اختلاف ضرور ہے کہ موجودہ کرنسی کا نصاب سونے کے نصاب سے متعین کیا جائے یا چاندی کے نصاب سے؟ بعض فقہا کا خیال ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین سونے سے کیا جائے گا اور اس کی وہ مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں جیسا کہ یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں:

''جبکہ بعض دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ آج کل نصابِ زکوٰۃ کا اندازہ سونے سے ہونا چاہئے اس لئے کہ چاندی کی قیمت میں عہدِ نبوت کے بعد سے بہت زیادہ فرق آچکا ہے۔ کیونکہ تمام اشیا کی طرح چاندی کی بھی قیمت بڑھتی رہی ہے جب کہ سونے کی قیمت کافی حد تک مستحکم رہی ہے اور زمانے کے اختلاف سے سونے کے سکوں کی قیمت میں فرق نہیں آیا اور سونا ہر زمانے میں ایک ہی اندازے کا حامل رہا ہے۔ یہ رائے ہمارے اساتذہ ابوزہرہ [عبد الوہاب] خلاف اور [عبدالرحمٰن] حسن نے زکوٰۃ پر اپنی تحقیق کے دوران اختیار کی ہے۔ مجھے بھی یہ قول بلحاظِ دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے اس لئے اگر مذکورہ اموالِ زکوٰۃ کا موازنہ

www.KitaboSunnat.com

کرکے دیکھا جائے کہ پانچ اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، چالیس بکریوں پر زکوٰۃ ہے، پانچ وسق کھجور یا کشمش پر زکوٰۃ ہے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس عہد میں زکوٰۃ کے تمام نصابوں سے قریب سونا ہے، چاندی نہیں ہے۔ پانچ اونٹوں اور چالیس بکریوں کی قیمت تقریباً (کم وبیش) چار سو دینار یا گنی [جُنیہ (پاؤنڈ/ مصری کرنسی) کے مساوی ہوگی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شارع کی نظر میں چار اونٹوں یا اُنتالیس بکریوں کا مالک تو فقیر ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو لیکن جس کے پاس اتنی نقدی (یعنی چاندی کے حساب سے، ناقل) ہو جس سے وہ ایک بکری بھی نہ خرید سکتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اور کس طرح اس حقیر مالیت کو غنی تصور کیا جاسکتا ہے؟ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:

پانچ اوقیہ چاندی کو نصابِ زکوٰۃ اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ یہ مقدار ایک گھرانے کی سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہے بشرطیکہ اکثر علاقوں میں قیمتیں معتدل ہوں اور اگر آپ قیمتوں میں معتدل علاقوں کا جائزہ لیں تو آپ کو اس حقیقت کا اِدراک ہوجائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی کسی اسلامی ملک میں پچاس یا (اس سے) کم وبیش مصری (کرنسی) اور سعودی ریال یا پاکستانی اور ہندوستانی روپے☆ میں ایک گھرانے کا پورے سال کا گزر ہوسکتا ہے؟ بلکہ کیا ایک ماہ یا ایک ہفتہ کا بھی ہوسکتا ہے؟ بلکہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں میں جہاں کا معیارِ زندگی کافی بلند ہوچکا ہے، یہ رقم ایک متوسط گھرانے کی ایک دن کی ضرورت کے لئے بھی ناکافی ہے، تو اس رقم کا مالک شریعت کی نظر میں کیوں کر غنی متصور ہوسکتا ہے؟ یہ بہت ہی بعید از قیاس بات ہے! اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے اس عہد میں نصابِ زکوٰۃ کی پیمائش کے لئے سونے کو اصل قرار دیں۔ اگرچہ چاندی سے نصابِ زکوٰۃ کے تقرر میں فقرا اور مستحقین کا مفاد ہے مگر اس میں مال کے مالکین پر بار بھی پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے دہندگان صرف بڑے بڑے سرمایہ دار اور اغنیا ہی نہیں ہوتے بلکہ اُمتِ مسلمہ کے عام افراد زکوٰۃ دہندگان ہیں''۔ (فقہ الزکوٰۃ: ج ۱ ص ۳۵۲ تا ۳۵۴)

جبکہ دوسری طرف بعض بلکہ اکثر و بیشتر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کا تعین چاندی کے حساب سے کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ رقم طراز ہیں کہ

''دورِ نبویؐ میں سونا چاندی دونوں زرِ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور ان کی قیمتوں

www.KitaboSunnat.com

میں صرف ایک اور سات کی نسبت☆تھی۔یعنی ساڑھے سات تولے سونا، ساڑھے باون تولے چاندی۔ دوسرے لفظوں میں سونے کا بھاؤ چاندی سے صرف سات گنا ہوتا تھا۔ بعد کے اَدوار میں سونے کی قیمت تو چڑھتی گئی اور چاندی کی قیمت گرتی گئی اور اس کی غالباً دو وجوہ ہیں: اوّلاً تو چاندی کی بجائے صرف سونا ہی زرمبادلہ قرار پایا اور، ثانیاً چاندی کے زیورات آہستہ آہستہ متروک ہوگئے۔ ۱۹۳۰ء کی جنگِ عظیم سے پہلے چاندی اور سونے کی مالیت میں تقریباً ایک اور بیس کی نسبت ہوچکی تھی اور اب تو یہ نسبت اور بھی بہت زیادہ بڑھ چکی ہے اور آئندہ بھی یہ تفاوت بڑھنے کا امکان ہے۔ سونے اور چاندی کا حد نصاب جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا اس میں ردّوبدل کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں خواہ یہ باہمی تفاوت اور بھی زیادہ ہوجائے۔ مگر نقدی کے متعلق ہمیں ضرور کچھ فیصلہ کرنا ہوگا کہ نقدی کا حد نصاب طے کرنے کے لئے چاندی کو بنیاد قرار دیا جائے یا سونے کو؟ اکثر علما کا خیال ہے کہ ہمارے ہاں نوٹوں کے اجرا سے پہلے چونکہ چاندی کا روپیہ رائج تھا لہٰذا چاندی کو بنیاد قرار دے کر چاندی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت نکال لی جائے، یہ حد نصاب ہوگا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سعودی عرب میں آج کل بھی کاغذی زر (نوٹوں) کو ورقہ کہتے ہیں اور یہی لفظ چاندی کے لئے استعمال ہوتا ہے، نیز چاندی کو ہی نقد روپیہ کے لئے نصاب قرار دینا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ کہیں اللہ کا حق ہمارے ذمہ نہ رہ جائے لہٰذا اس اہم دینی فریضہ میں ہر ممکن احتیاط لازم ہے۔'' (تجارت اور لین دین کے مسائل: ص ۳۱۸، ۳۱۹)

مذکورہ بالا دونوں نقطہ ہائے نظر میں سے ثانی الذکر ہمیں راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① اوّل تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے، تاکہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

② دوسرا یہ کہ فقراء ومساکین کا فائدہ بھی اسی میں ہے۔

③ تیسرا یہ کہ سونے اور چاندی کی نسبت میں جو بہت زیادہ تفاوت پیدا ہوچکا تھا وہ بھی رفتہ رفتہ کافی حد تک کم ہوچکا ہے اور اب ان دونوں کی نسبت ایک اور تیس کی بجائے ایک اور بارہ کے قریب ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص سونے کو معیار نصاب بناتا ہے تو اس کے

www.KitaboSunnat.com

اس اجتہاد پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔

ہیرے جواہرات وغیرہ پر زکوٰۃ کا مسئلہ: ہیرے جواہرات وغیرہ اگر تجارت کیلئے رکھے ہوں تو پھر بلا اختلاف اموال تجارت کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی لیکن اگر یہ ذاتی استعمال (مثلاً زیب و زینت کے لئے) یا کاروباری آلات کے لئے استعمال ہوں تو پھر بلا نزاع ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں، خواہ یہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

"لا زكوٰة فيما سوى الذهب والفضة من الجواهر كالياقوت والفيروزج، واللؤلؤ والمرجان والزمرد والزبرجد والحديد والصفر وسائر النحاس والزجاج وان حسنت صنعها وكثرت قيمتها ولازكوٰة أيضاً فى المسك والعنبر وبه قال جماهير العلماء من السلف وغيرهم" (المجموع شرح المذهب: ج۵ص۴۶۴)

اسی طرح ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ:

''فالزكوٰة في الحلى من الذهب والفضة دون الجوهر لأنها لا زكوٰة فيها عند أحد من أهل العلم فإن كان الحلى للتجارة قومه بما فيه من الجواهر لأن الجواهر لوكانت مفردة وهي للتجارة لقومت وزكيت'' (المغنی: ج۴ص۲۲۴ نیز دیکھئے الفقه على المذاهب الأربعة: ج ۱ ص ۵۹۵، موسوعة الاجماع: ۱/۴۶۷)

مذکورہ بالا اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ ہر طرح کے قیمتی موتی اور جملہ عطریات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں بشرطیکہ یہ تجارت کے لئے نہ ہوں اور جمہور ائمہ سلف کا شروع سے یہی موقف رہا ہے۔ باقی رہا جواہرات کو سونے چاندی کے زیورات پر قیاس کرنے کا مسئلہ تو یہ قیاس درست نہیں، اس لئے کہ زیورات میں استعمال ہونے والا سونا چاندی نقدی اور نمو کی حیثیت بھی رکھتا ہے جبکہ ہیرے جواہرات میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے متقدمین میں سے جو اہل علم

www.KitaboSunnat.com

زیورات پر زکوٰۃ کے قائل رہے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی انہیں زیورات پر قیاس نہیں کیا۔تقریباً یہی رائے ابن حجر کی بھی ہے، دیکھئے فتح الباری: ج ۳ ص ۳۶۳ اور حنفیہ کا بھی یہی موقف ہے، دیکھئے درّ مختار: ج ۲ ص ۲۷۳ اور فتاویٰ ہندیہ: ۱۰۲/۱

❸ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ

زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کو اصطلاحی طور پر 'عشر' کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ زرعی پیداوار میں ہر فصل تیار ہونے کے بعد اس کا عشر (یعنی دسواں حصہ) بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے بشرطیکہ مجموعی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو اور زمین کی سیرابی کے لئے مشقت کرکے پانی حاصل نہ کیا گیا ہو یعنی ٹیوب ویل لگانے یا کنویں کھودنے کی بجائے بارش یا نہروں کے ذریعے بغیر مشقت کے پانی حاصل ہوجائے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر از راہِ تخفیف بیسواں حصہ (یعنی نصف العشر) بطورِ زکوٰۃ نکالا جائے گا۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر" (بخاری:۱۴۸۳)

''جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہوتی ہے یا پھر وہ بارانی ہو اس میں عشر ہے اور جو زمین رہٹ وغیرہ کے پانی سے سیراب کی جاتی ہو تو اس میں نصف العشر ہے۔''

زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اگر پانچ وسق سے کم ہو تو پھر اس میں کسی قسم کی زکوٰۃ (عشر) فرض نہیں جیسا کہ حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لیس فیما أقل من خمسة أوسق صدقة" (بخاری:۱۴۸۴)

''پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔''

اور واضح رہے کہ پانچ وسق کا مجموعی وزن تقریباً ۱۸ من یا دوسرے لفظوں میں ۷۲۰ کلوگرام بنتا ہے جبکہ بعض علما نے ۱۵ من بعض نے ۲۰ من اور بعض نے ۲۵ من کا اندازہ بھی نکالا ہے۔واللہ اعلم!

www.KitaboSunnat.com

کون کون سی اجناس پر عشر ہوگا؟

اس سلسلہ میں چار اجناس تو وہ ہیں جن پر وجوبِ عشر کے حوالے سے اجماع ہو چکا ہے اور وہ یہ ہیں: ① گندم، ② جو، ③ کھجور اور ④ کشمش (دیکھئے: الاجماع لابن منذر: ص۴۳، موسوعۃ الاجماع: ۴۶۶/۱)

جبکہ اس کے علاوہ دیگر اجناس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض تابعین اور امام احمد، موسیٰ بن طلحہ، حسن، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن المبارک اور ابوعبید رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے کہ صرف ان چار چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔ (المحلّٰی: ج۵/ص۲۰۹) اور یہ اصحاب اپنی تائید میں وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں صرف انہی چار اجناس کی زکوٰۃ کا ذکر ہے مگر ان کی اسناد ضعف سے خالی نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (فقہ الزکوٰۃ: ج۱/ص۴۶۴، ۴۶۵) جبکہ دیگر اہل علم ان تمام روایات کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیگر زرعی اجناس پر بھی وجوبِ عشر کے قائل ہیں اور اپنی تائید میں قرآن و حدیث کے دیگر عمومی دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً

(i) ﴿وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ (الانعام: ۱۴۱)

''کٹائی کے دن ان (زرعی اجناس) کا حق ادا کرو۔''

(ii) ﴿وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ: ۲۶۷)

''اور ان چیزوں میں سے (زکوٰۃ نکالو) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔''

اس کے علاوہ اس گروہ کے پاس اور بھی کئی عمومی دلائل موجود ہیں، تاہم آگے چل کر ان میں بھی اختلافِ رائے موجود ہے۔ مثلاً

''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس اراضی پیداوار پر جس سے افزائش زمین مقصود ہو اور جس سے لوگ بالعموم فائدہ حاصل کرتے ہوں، زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ ان کے نزدیک لکڑی، گھاس پھونس، اور ایرانی بانس مستثنیٰ ہے۔ اس لئے کہ ان اشیا کی لوگ بالعموم پیداوار نہیں کرتے بلکہ اس سے زمین کو صاف کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص (حصولِ منفعت کے لئے) لکڑی والے درخت یا بانس یا گھاس ہی زمین میں اُگا لے تو اس پر عشر عائد ہو جائے گا.....

www.KitaboSunnat.com

امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے ان اشیا کے بارے میں جن کا پھل باقی نہ رہے (جیسے سبزیاں اور ترکاریاں اور کھیرے ککڑی وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے مختلف ہے اور ان اشیا میں (بھی) ان کے نزدیک زکوٰۃ ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ: ج۱ص۴۷۰ تا ۴۷۱)

داود ظاہری وغیرہ کا نکتہ نظر بھی یہی ہے کہ

''ہر اراضی پیداوار پر زکوٰۃ ہے اور اس میں کوئی استثنیٰ نہیں اور یہی ابراہیم نخعی کا بھی ایک قول ہے اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہدؒ، حماد بن ابی سلمانؒ سے مروی ہے۔'' (ایضاً)

امام احمد بن حنبلؒ سے اس سلسلہ میں کئی طرح کے اقوال مروی ہیں تاہم ابن قدامہ نے المغنی میں ان کا جو مشہور قول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ

"وكل ما أخرج الله عزوجل من الأرض مما ....." (المغنی: ج۴ص۱۵۵)

ان تمام اشیا پر زکوٰۃ (عشر) ہے جن میں یہ تین وصف ہوں: ① خشک ہونے کی خاصیت ہو ② محفوظ کی جاسکتی ہوں ③ اور تولی جاسکتی ہوں۔''

شوافع کا نکتہ نظر یہ ہے کہ (دیکھئے شرح المنہاج: ج۲ص۱۶)

ہر وہ زرعی جنس جو غذا اور ذخیرہ بن سکتی ہے اس پر عشر ہوگا اور جن میں یہ شرائط نہ ہوں، ان پر عشر نہیں۔ مثلاً بادام، اخروٹ، پستہ، سیب، انار، امرود وغیرہ پر ان کے نزدیک عشر نہیں

مالکیوں کی بھی یہی رائے ہے تاہم انہوں نے صرف ۲۰ متعین چیزوں پر عشر واجب قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی: ج۱ص۴۴۷)

مذکورہ بالا اختلاف میں داود ظاہری کا نکتہ نظر ہمیں اَقرب الی السنۃ معلوم ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ متاخر علمائے اہلحدیث کی بڑی تعداد بھی اسی کی قائل ہے اور علامہ یوسف قرضاوی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ باقی رہی ترمذی کی وہ حدیث جس میں ہے کہ 'سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں' تو اسے خود امام ترمذی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

❹ اَموالِ تجارت پر زکوٰۃ

ابن منذر فرماتے ہیں کہ

"وأجمعوا على أن في العروض التي تدار للتجارة الزكوٰة إذا حال

www.KitaboSunnat.com

علیها الحول" (الاجماع: ص۴۵) ''اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ جو مال تجارت کے لئے (رأس المال) ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ اس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔''

مذکورہ بالا اجماع جن نصوص کی بنیاد پر ہوا ہے، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(i) ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَاكَسَبْتُمْ﴾ (البقرۃ:۲۶۷)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ مال تم نے کمائے ہیں، ان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔''

(ii) حضرت سمرہؓ سے مروی ہے کہ

"كان النبیﷺ یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعدّ للبیع" (ابوداود:۱۵۶۲)

''نبی اکرم ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہم ان تمام چیزوں سے زکوٰۃ ادا کریں جو بغرضِ تجارت ہمارے پاس موجود ہوں۔''

(iii) حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اونٹوں پر زکوٰۃ ہے، بکریوں پر زکوٰۃ ہے، گائیوں پر زکوٰۃ ہے اور تجارت کے کپڑے پر زکوٰۃ ہے۔'' (المحلی: ج۵/ص۲۲۴)

اگرچہ مذکورہ بالا روایتوں کی سندوں پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے، تاہم اجماعِ اُمت اور عمل صحابہؓ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ سامانِ تجارت پر زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (دیکھئے کتاب الاموال لابی عبید: ص۴۲۵ اور السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۱۴۷، فقہ الزکوٰۃ: ایضاً، الاجماع ص۴۵)

آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے!

سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت میں واضح فرق ہے۔ جو چیزیں تجارت کیلئے (For Sale) ہوں، ان پر ہر سال چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ نکالا جائے گا۔ اہل ظواہر، امام شوکانی، اور نواب صدیق حسن خاں کو چھوڑ کر باقی اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے اور اسی طرح اُمت کا اس بات پر بھی اجماع رہا ہے کہ آلاتِ تجارت خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، ان پر زکوٰۃ نہیں تاہم ان سے حاصل ہونے والی آمدنی پر اگر ایک سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ (دیکھئے: الفقه علی المذاهب الأربعة: ج۱/ص۵۹۵) اس سلسلہ میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

www.KitaboSunnat.com

(i) حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لیس علی العوامل شیئ" (ابوداود:۱۵۷۲) ''پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔''

(ii) حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لیس فی الإبل العوامل صدقة" (السنن الکبریٰ للبیہقی:۴/۱۱۶)

''کام کرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے''

(iii) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ سے مروی ایک روایت میں اونٹوں کے ساتھ بیل، گائیوں کا بھی اس طرح ذکر ہے کہ

''اور بیل گائیاں کام کرنیوالے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔'' (ایضاً)

(iv) اسی طرح حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ اور بعض دیگر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے مروی ہے کہ ''ہل چلانے والے جانور (بیل، گائے وغیرہ) پر زکوٰۃ نہیں۔'' (ایضاً)

(v) مذکورہ بالا احادیث وآثار کی بنیاد پر جمہور فقہاء ومحدثین کا متفقہ طور پر یہ موقف رہا ہے کہ پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں اور اگر کسی نے شذوذ وتفرد کی راہ اختیار کرتے ہوئے پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر بھی زکوٰۃ عائد کرنے کی کوشش کی تو دیگر فقہاء ومحدثین نے اس کی تردید کی۔ مثلاً امام خطابی ابوداود کی روایت (نمبر۱) ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ "وقوله لیس فی العوامل شیئ بیان فساد قول من أوجب فیها الصدقة وقد ذکرنا فیما مضیٰ" (معالم السنن:ج۲ص۳۰)

''حدیثِ نبوی کے یہ الفاظ کہ ''پیداوار کا ذریعہ بننے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔'' ہر اس شخص کے موقف کی خوب تردید کرتے ہیں جو ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں۔ اور یہ مؤقف کن کا ہے، اس کی وضاحت ہم پیچھے کر آئے ہیں۔''

واضح رہے کہ احادیث میں آلاتِ پیداوار کی جگہ اونٹوں اور گائیوں کا ذکر آیا ہے اس لئے کہ اس دور میں یہی جانور آلاتِ پیداوار کی حیثیت رکھتے تھے، تاہم دورِ حاضر میں ان کی جگہ تمام جدید آلات بھی ذرائع پیداوار کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ لیس فی الإبل العوامل صدقة کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ

''اس ارشاد میں اگرچہ اونٹ کا نام آیا ہے تاہم یہ ایک عام اصول ہے مثلاً دکان کا باردانہ یا

www.KitaboSunnat.com

فرنیچر زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح فیکٹریوں میں نصب شدہ مشینیں جو پیداوار کا ذریعہ بنتی ہیں خود بکاؤ مال نہیں ہوتیں، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گی۔'' (تجارت اور لین دین کے مسائل: ص ۲۹۳)

اسی طرح ہر وہ چیز آلاتِ تجارت اور ذرائع پیداوار متصور ہوگی جو کرائے کے لئے دی جاتی ہو۔ مثلاً کرائے کا مکان، دکان، فرنیچر، گاڑیاں، بسیں اور دیگر سامان وغیرہ۔ یہ چیزیں بھی چونکہ کمائی کا ذریعہ (آلاتِ تجارت/ذرائع پیداوار) ہیں، اس لئے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی اگر نصاب کے بقدر ہو اور اس پر ایک سال کا عرصہ بھی گذر چکا ہو تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔ (دیکھئے المغنی: ج ۳ ص ۴۷) خواہ بذاتِ خود یہ چیزیں کتنی ہی قیمتی اور مہنگی کیوں نہ ہوں۔ جمہور فقہاءِ اُمت کا گذشتہ چودہ صدیوں سے یہی موقف رہا ہے مگر ماضی قریب میں علامہ یوسف قرضاوی اور ان کے تین استادوں (ابوزہرہ، عبدالرحمٰن حسن اور عبدالوہاب خلاف) نے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہوئے ایک نئی رائے پیش کی اور وہ یہ ہے کہ صرف ایسے آلاتِ تجارت، زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ موصوف رقمطراز ہیں:

''جو آلات آج بھی دست کار کے ذاتی استعمال کے ہوں اور وہ ان کو خود استعمال کرتا ہو مثلاً حجام کے آلاتِ حجامت وغیرہ اور وہ آلاتِ صنعت جو حصولِ منفعت میں رأس المال کی حیثیت رکھتے ہیں اور مالک کو نفع پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہوں جیسے کارخانے کا مالک جو اس کارخانے کو چلانے کے لئے مزدوروں کو اُجرت پر لگاتا ہو تو اس کے یہ صنعتی آلات (مشینیں) اس کا رأس المال اور مالِ نامی متصور ہوں گے کیونکہ اسے ان مشینوں سے جو منفعت حاصل ہو رہی ہے، اس کے لحاظ سے یہ مشینیں آہن گر یا بڑھئی کے ان اوزاروں کے مشابہ نہ ہوں گی جن سے وہ ہاتھ سے کام لیتا ہے۔ اس لئے ان آلاتِ صنعت اور مشینوں کے مالِ نامی ہونے کے باعث ان پر زکوٰۃ عائد ہوگی اور ان کا شمار ذاتی استعمال کی اشیا میں نہیں ہوگا۔''
(فقہ الزکوٰۃ: ج ۲/ص ۶۱۰، ۶۱۱)

مذکورہ اقتباس میں موصوف نے دو باتیں ذکر کی ہیں: ''ایک تو یہ کہ جدید صنعتی آلات مالِ نامی ہیں اور مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض ہے''۔ حالانکہ ہر مالِ نامی موجب زکوٰۃ نہیں ہوتا اور خود موصوف نے بھی اس پر بحث کی ہے کہ ''ہر مالِ نامی محل زکوٰۃ نہیں۔'' اس کی مزید تفصیل پچھلے

www.KitaboSunnat.com

صفحات میں 'ذاتی استعمال کی اشیا پر زکوٰۃ' کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

موصوف نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ قدیم دور کے آلاتِ صنعت کو جدید آلاتِ صنعت کا محل قیاس نہیں بنایا جاسکتا اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قدیم آلاتِ صنعت براہِ راست استعمال ہوتے تھے جبکہ جدید آلاتِ صنعت اکثر و بیشتر بالواسطہ استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں مماثلت نہیں۔ حالانکہ یہ اعتراض سرے سے غلط ہے اس لئے کہ اوّل تو قدیم آلاتِ تجارت دونوں طرح ہی استعمال ہوتے تھے۔ بلاواسطہ میں تو انہیں بھی شک نہیں جبکہ غلاموں کے ذریعے اور کرائے اور ٹھیکے کے ذریعے ہونے والے سبھی کام بالواسطہ ہی کی مثالیں ہیں۔ اور دورِ حاضر میں کرائے پر استعمال ہونے والے تجارتی کمپلیکس، بسیں، گاڑیاں اور جہاز وغیرہ کو قدیم دور میں کرائے پر چڑھنے والے مکانوں، باغوں وغیرہ پر قیاس کرنا بالکل صحیح ہے۔ اسی طرح وہ جدید آلاتِ صنعت جنہیں بالواسطہ استعمال کیا جاتا ہے، انہیں قدیم دور کے ان آلات پر قیاس کرنا صحیح ہے جن کے ذریعے مالکوں کے غلام کام کیا کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے جب عوامل (یعنی ذرائع پیداوار اور آلاتِ تجارت) کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے بالواسطہ اور بلاواسطہ کی کوئی تفریق نہیں کی تو پھر ہمیں اس تفریق کی آخر کیا ضرورت؟ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یوسف قرضاوی نے ہمارے موقف کے حامل متقدم فقہا کے دلائل ذکر کرتے ہوئے ان صریح احادیث کو پیش نہیں کیا جن میں ذرائع پیداوار کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ کچھ یہی صرفِ نظر پروفیسر احمد اقبال قاسمی صاحب نے اپنے مضمون 'زکوٰۃ کا نفاذ، چند قابل غور پہلو' (شائع شدہ ترجمان القرآن، اگست ۲۰۰۳ء) میں کیا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ انہوں نے سامانِ تجارت اور آلاتِ تجارت کو ایک ہی زاویہ سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور آخر میں یہ الفاظ رقم کردیے ہیں کہ

''احقر بھی حضرت مولانا محمد طاسین مرحوم اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر ابوزہرہ، پروفیسر عبدالوہاب خلاف کے نظریات کی پوری طرح تائید کرتا ہے۔''

(ماہنامہ 'ترجمان القرآن' اگست ۲۰۰۳ء: ص ۵۳)

حالانکہ یہ اصحاب اگرچہ آلاتِ تجارت کی بعض صورتوں پر وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ آلاتِ تجارت اور سامانِ تجارت میں فرق ضرور کرتے ہیں۔اس لئے مضمون نگار کو چاہئے تھا کہ وہ ان اصحاب کے نکتہ نظر کا بغور مطالعہ کرکے کوئی رائے دیتے۔لیکن انہوں نے مذکورہ مضمون میں چونکہ ایک دو ثانوی مصادر سے سرسری استفادہ کے بعد اخذ وترتیب سے کام لیا ہے،اس لئے نہ صرف یہ کہ پورا مضمون ہی خلطِ مبحث کا شکار دکھائی دیتا ہے بلکہ اس میں یہ بلند بانگ دعویٰ بھی ہے کہ:''ان حضرات (یعنی آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوب کے قائل.....ناقل) کے پاس قرآن وسنت کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔اس کا سارا انحصار فقہا کی درج ذیل عبارت پر ہے جو حاجاتِ اصلیہ پر زکوٰۃ نہ ہونے سے متعلق ہے.....''(ایضاً ص۵۲)

حالانکہ مضمون نگار اگر بنیادی مصادر ومراجع کی طرف رجوع کر لیتے تو یقیناً اتنا بڑا دعویٰ نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے آلاتِ تجارت پر عدمِ وجوبِ زکوٰۃ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں چار احادیث وآثار تو ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔باقی رہی قرآنی دلیل تو وہ بھی پیش خدمت ہے:

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ (الکہف:۷۹)

''کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔''

اس آیت میں یہ بات موجود ہے کہ دریائی کشتی جو یقیناً ایک قیمتی چیز تھی، کے مالک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین قرار دیا ہے اور مسکین بذاتِ خود مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے۔ گویا کشتی جو ان لوگوں کے لئے آلہ تجارت تھی،اس پر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی کوئی بات نہیں کی لہٰذا اسی طرح ہر آلہ تجارت زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائے گا خواہ وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو۔واضح رہے کہ دریا اور سمندر میں کام کرنے کے قابل درمیانے درجہ کی کشتی بھی انتہائی قیمتی ہوتی ہے اور خود ہمارے ایک دوست نے ایسی ہی معمولی کشتی ۱۵ لاکھ میں خریدی حالانکہ وہ تھی بھی استعمال شدہ۔

مجلّہ 'ترجمان القرآن' کی مناسبت سے یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بانیٔ ترجمان سید مودودیؒ کی رائے بھی اس مسئلہ میں وہی تھی جو جمہور فقہائے امت کی گذشتہ چودہ صدیوں سے چلی آرہی ہے۔چنانچہ سید مودودیؒ نے بعض لوگوں کے اعتراضات کے باوجود یہی رائے دی کہ

''کرایہ پر دی جانے والی اشیا کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ مختصر تھا، اس لیے بات

www.KitaboSunnat.com

واضح نہ ہوسکی۔ میرا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ فرنیچر یا موٹریں یا ایسی ہی دوسری چیزیں کرائے پر چلانے کا کاروبار کرتے ہیں، ان کے کاروبار کی مالیت اس منافع کے لحاظ سے متشخص کرنی چاہیے جو اس کاروبار میں ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس فرنیچر یا ان موٹروں کی قیمت پر زکوٰۃ محسوب کی جائے جسے وہ کرائے پر چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ آلات ہیں جن سے وہ کام کرتے ہیں اور آلات کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کاروبار جو منافع دے رہا ہو اس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جائے گی کہ اس قدر منافع دینے والے کاروبار کی مالیت کیا قرار پانی چاہیے۔ رہے کرایہ کے مکانات تو ان کے بارے میں مجھے بھی اس بنا پر تامل ہے کہ سلف سے ان پر زکوٰۃ لگائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔''

'الإبل العوامل' (کام کرنے والے اونٹوں) پر زکوٰۃ نہ لگنے کی وجہ وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کی ہے کہ ایک آدمی جن آلات یا حیوانات کے ذریعے سے کام کرتا ہو، ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ مثلاً ہل چلانے والے بیل یا بار برداری کے جانور، ان پر زکوٰۃ مواشی عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح ڈیری فارم کے جانوروں پر زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہوگی، ان کی زکوٰۃ تو اس پیداوار پر زکوٰۃ لگنے کی صورت میں وصول ہوجاتی ہے جو ان کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ کرایہ پر چلانے جانے والے اونٹوں پر بھی عوامل کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے ان پر بھی زکوٰۃ مویشی عائد نہ ہونی چاہئے اور نہ ان کی مالیت پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔ بلکہ اس کرایہ کے کاروبار کی جو Good Will متشخص ہو، اس پر زکوٰۃ لگنی چاہئے۔''

(ترجمان القرآن: فروری ۱۹۶۲ء اور رسائل ومسائل حصہ سوم: ص ۳۳۰)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کرائے پر چلنے والے بڑے بڑے کمپلیکس، بسیں، جہاز اور قیمتی مشینری وغیرہ کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تو پھر بہت سے لوگ زکوٰۃ سے بری ہوجائیں گے اور غربا کی حق تلفی ہوگی۔ حالانکہ یہ محض مفروضہ ہے اس لئے کہ جس شخص کے آلاتِ تجارت کروڑوں کی مالیت کے ہوں، اس کی آمدن بھی لاکھوں سے کم نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی آمدن پر جب ہزاروں، لاکھوں روپیہ بطورِ زکوٰۃ نکل رہا ہے تو پھر اسے کسی ایسی تنگی میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت جو شریعت نے پیدا نہیں کی۔ بلکہ ایسے اصحابِ ثروت اگر آمدن ہی کی زکوٰۃ نیت وخلوص سے ادا کرتے رہیں تو معاشی ومعاشرتی سطح پر بہت بڑی مثبت تبدیلی رونما ہوجائے گی۔☆ ان شاء اللہ!

www.KitaboSunnat.com

اُمتِ مسلمہ اور صہیونیت

محمد عطاء اللہ صدیقی

[قسط نمبر۲]

یہودیوں کے حقِ تولیت کے 'اِشراقی' علمبردار

معاصر 'اشراق' کے نوجوان سکالرز کی تحقیق کاری کا ناقدانہ جائزہ

مسجد اقصیٰ کہاں پر ہے؟

یاد رہے کہ آج کی مسجد اقصیٰ وہ 'مسجدِ اقصیٰ' نہیں ہے جس سے آقائے دوجہاں، امام الانبیا ﷺ نے معراج کا سفر شروع کیا تھا۔ یہ درحقیقت وہ مسجد ہے جس کی تعمیر اُموی خلیفہ عبدالملک کے دور میں ۶۸۸ء میں ہوئی تھی۔ اس کا اعتراف اشراقی مصنف کو بھی ہے۔ دوسری بات جان لینے کی یہ ہے کہ قبة الصخرة اور مسجدِ اقصیٰ بھی ایک نہیں ہیں جیسا کہ مصنف کی ان سطور سے ظاہر ہوتا ہے

''۶۳۸ء میں مسلمانوں نے یروشلم کو فتح کیا تو اس موقع پر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صحابہ کی معیت میں مسجدِ اقصیٰ میں آئے۔ اس وقت ہیکل کے پتھر (صخرۂ بیت المقدس) کے اوپر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا۔ سیدنا عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر اس کو صاف کیا اور احاطہ ہیکل کی جنوبی جانب میں نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ مخصوص کردی۔ بعد میں اس جگہ پر لکڑی کی ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ ۶۸۸ء میں اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے صخرہ بیت المقدس کے اوپر ایک شاندار گنبد تعمیر کرا دیا جو قبة الصخرة "Dome of Rock" کے نام سے معروف ہے۔ اس نے لکڑی کی مذکورہ سادہ مسجد کی تعمیر نو کر کے اس کے رقبے کو مزید وسیع کر دیا، اسلامی لٹریچر میں 'مسجد اقصیٰ' سے مراد یہی مسجد ہے۔'' (اشراق: اگست ۲۰۰۳ء)

اس عبارت سے درج ذیل باتیں اَخذ کی جاسکتی ہیں:

① ۶۳۸ء میں مسلمانوں نے جب یروشلم فتح کیا تو ہیکل کے پتھر پر کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا، گویا اس کی عبادت نہیں کی جاتی تھی۔ اگر یہ ہیکل سلیمانی کا پتھر ہوتا تو اس حالت میں ہرگز نہ ہوگا۔ یروشلم میں موجود یہودیوں کی مختصر تعداد بھی اپنے معبد کا یہ حشر نہ ہونے دیتی۔

② حضرت عمرؓ کے دور کے بعد وہاں تعمیر کی جانے والی لکڑی کی مسجد (مسجد عمرؓ) ہیکل کی

www.KitaboSunnat.com

جنوبی جانب تعمیر کی گئی، یعنی عین ہیکل پر اس کو نہ بنایا گیا۔

③ عبدالملک نے قبۃ الصخرہ اور مسجدِ اقصیٰ دونوں بنائیں۔ مسجد اقصیٰ کا مقام وہی رکھا گیا، جہاں پر 'لکڑی کی مسجد' (مسجد عمر) واقع تھی، گویا یہ مزعومہ ہیکل کے مرکزی حصہ سے ہٹ کر تعمیر کی گئی۔

مندرجہ بالا معلومات کو درست مان لیا جائے، تو یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ 'مسجد اقصیٰ' ہیکل سلیمانی کی عین جگہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ اگر حقیقت یہی ہے تو پھر اشراقیت پسندوں کی جانب سے یہودیوں کے حق تولیت کی بازیابی مہم ہوا میں معلق ہو کر رہ جاتی ہے، زمینی حقائق تو اس کے خلاف ہی ثابت کرتے ہیں۔

مصنف نے عہدِ نامہ عتیق (تورات) اور یہودی مصادر سے جو معلومات نقل کی ہیں، ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو ہیکل سلیمانی کا نام بہت بعد میں دیا گیا مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''پوپ اربن دوم کے کلمہ پر عیسائی مجاہدین کا ایک لشکر یروشلم پر قبضے کے لئے روانہ ہوا جس نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم پر قبضہ کر کے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ مسیحی فاتحین نے قبۃ الصخرۃ کے اوپر ایک صلیب نصب کر کے اس کو "Templum Drmini" کا اور مسجد اقصیٰ کو "Templum Solomoni" کا نام دے دیا'' (ایضاً)

اس عبارت سے جہاں یہ مترشح ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ دو الگ الگ عمارتیں ہیں، وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بنائی ہوئی مسجد اقصیٰ کو پہلی دفعہ 'سلیمانی ٹیمپل' کا نام صلیبی جنونیوں نے ۱۰۹۹ء میں دیا، پہلے اس نام کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا۔

اس عبارت میں مصنف کی 'روشن خیالی' (یعنی اسلامی حمیت کا فقدان) بھی قابل غور ہے، وہ بالکل مستشرقین اور مسیحی مصنّفین کے اتباع میں صلیبی جنونیوں کو 'مسیحی مجاہدین' کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ پہلے 'مسلمان عالم دین' ہیں جو صلیبیوں کے لئے 'مجاہدین' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

یہودیوں کے حقِ تولیت کے پرجوش علمبردار محقق ممدوح نے 'خروج' سموئیل، اور تواریخ جیسے عہدنامہ عتیق کے حصوں سے جو معلومات نقل کی ہیں، ان سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہودی جس 'ہیکل سلیمانی' کی مسجدِ اقصیٰ پر تعمیر نو کرنا چاہتے ہیں، وہ عین اسی مقام پر تباہ کیا گیا تھا وہ زیادہ سے زیادہ یہ بتا سکے ہیں کہ بنی اسرائیل نے کسی دور میں 'ہیکل سلیمانی' تعمیر کیا تھا۔

مصنف کی طولانی 'تاریخ نویسی' کا خلاصہ یہ ہے:

مصریوں کی غلامی سے رہائی کے بعد بنی اسرائیل نے ایک متحرک عبادت گاہ (خیمہ اجتماع) بنائی۔ ۱۴۵۰ق م میں حضرت یوشع علیہ السلام کے یروشلم دوبارہ فتح کرنے تک انکی عبادت گاہ یہی 'خیمہ اجتماع' ہی رہی۔ حضرت داوٴدؑ نے مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھی، انہیں باقاعدہ مرکزِ عبادت تعمیر کرنے کی ہدایت ملی۔ اسی مقصد کیلئے انہوں نے ارنان یبوسی نامی شخص سے اس کا ایک مکان خریدا جو کوہِ موریا پر واقع تھا۔ اپنی زندگی میں وہ یہ عبادت گاہ تعمیر نہ کرسکے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق متعینہ جگہ پر ایک شاندار عبادت گاہ تعمیر کرائی جو تاریخ میں ہیکل سلیمان (Solomani's Temple) کے نام سے معروف ہے، اس کی تعمیر ۹۵۰ ق م میں مکمل ہوئی۔ ۵۸۶ ق م میں بنونصر نے حملہ کرکے اسکو برباد کردیا۔

مصنف کے پیش کردہ محولہ بالا یہودی موقف کی رو سے ہیکل سلیمانی 'کوہِ موریا' پر تعمیر کیا گیا تھا۔ موصوف کا فرض تھا کہ ثابت کرتے کہ یہی وہ کوہِ ☆موریا ہے جس پر موجودہ مسجد اقصیٰ واقع ہے مگر وہ یہ اہم معلومات فراہم کرنے کی بجائے بڑے آرام سے آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد مصنف نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک طویل دعا نقل فرمائی ہے جس میں فرماتے ہیں: "واضح ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے اس عبادت گاہ کو اسی طرح ایک روحانی مرجع و مرکز اور 'مثابة للناس' کی حیثیت دے دی گئی تھی جس طرح بنی اسمٰعیل کے لئے مسجد احرام کو۔" اس دعا میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ الفاظ: "اس گھر کی طرف جو میں نے تیرے نام کیلئے بنایا ہے" بار بار آئے ہیں۔ یہ دعا نقل فرمانے کے بعد مصنف ہمارے علم میں پھر 'اضافہ' فرماتے ہیں:

"اس عبادت گاہ کو بنی اسرائیل کے ایک مذہبی و روحانی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی عظمت وشوکت اور دنیاوی جاہ وجلال کے ایک نشان کی حیثیت بھی حاصل تھی۔"

ہم کہتے ہیں کہ بھلے اسے یہ 'جاہ وجلال' ضرور حاصل ہوگا، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہ عبادت گاہ یعنی ہیکل سلیمانی اس جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں اس وقت 'مسجدِ اقصیٰ' موجود ہے۔

☆۱۱۱۹ء میں شاہ بالڈون (Baldwin) دوم نے مسیحی سرداروں کو موریا پہاڑی پر ایک عمارت بنا کر دی جس کا نام ہیکل سلیمانی Temple of Soloman رکھا۔ اس ہیکل کے اعلیٰ عہدیداروں کو ہیکل سلیمانی کے سردار (Kinghts of Soloman's Temple) کا نام دیا گیا جو بعد میں نائٹس ٹمپلرز کہلائے۔"

(فری میسنری از بشیر احمد: ص ۳۱)

اس بیان کی رو سے موریہ پہاڑی پر بنایا جانے والا ہیکل ۱۱۱۹ء میں تعمیر ہوا۔ اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ کیا یہی وہ ہیکل ہے جس کی تعمیر نو کی وکالت کی جارہی ہے؟ (ع ص)

www.KitaboSunnat.com

حق تولیت سے یہود کی معزولی

اشراقی مصنف نے اس موضوع پر قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ سے جس طرح استنباط فرمایا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اس پر کڑی تنقید کی جاتی، مگر خدشہ یہ ہے کہ 'اہل اشراق' اسے 'دشنام طرازی' قرار دیتے ہوئے اپنے وضع کردہ معیارِ اخلاق کے دفتر کھول کر بیٹھ جائیں گے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ (اشراق، اکتوبر ۲۰۰۱ء)

اور پھر 'اہل تدبر' بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس نقد وتبصرہ پر 'عامیانہ انداز' ہونے کا فتویٰ صادر فرمائیں گے جیسا کہ وہ 'محدث' کے مولانا امین احسن اصلاحی کے متعلق خصوصی شمارہ کے بارے میں کر چکے ہیں۔ (تدبر: ستمبر ۲۰۰۱ء)

اسی لئے ان کی اس 'حساسیت' کا خیال رکھتے ہوئے ہم یہاں اشارات پر ہی اکتفا کرتے ہیں لیکن اُمید ہے 'اہل اشراق' اپنے متعلق اس قدر تنقید تو برداشت کر ہی لیں گے جس قدر انہوں نے 'اہل خلافت' (تنظیم اسلامی کے امیر) اور دیگر دینی سکالروں کے متعلق المیزان میں روا رکھی ہے۔ میزانِ انتقاد پہ دوسروں کو تولنا ویسے بھی ان کا ہی استحقاق تو نہیں ہے!!

ملتِ اسلامیہ کا بڑا واضح موقف ہے کہ یہودی ایک فتنہ گر قوم ہیں، یہ دنیا کی واحد قوم ہے جس کے ہاتھ اس قدر انبیا کے قتل سے رنگے ہوئے ہیں، انہوں نے ہمیشہ عہد شکنی کی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ صحائف میں تحریف کا مکروہ کردار ادا کیا اور یہ حق بات کو چھپا کر ہمیشہ دجل وفریب اور تلبیس کوشی سے کام لیتے رہے ہیں۔ قرآن مجید نے سورۃ البقرہ اور دیگر مقامات پر ان کے گھناؤنے جرائم پر مبنی 'چارج شیٹ' پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کی پاداش میں اس خبیث قوم کو دنیا کی راہنمائی کے منصب سے معزول کر کے جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے بنو اسمٰعیل کے سر پر نبوت کا تاج رکھا جو قیامت تک ان کے لئے وجہِ فضیلت وتفاخر رہے گا۔ اس لئے انبیا کی سرزمین یعنی فلسطین اور مسجدِ اقصیٰ پر ان کا کسی قسم کا حق باقی نہیں رہا۔

اُمتِ مسلمہ کا یہ موقف ہے کہ جس طرح انبیا کے مشن کی وراثت اُمتِ مسلمہ کو منتقل ہوگئی ہے اس طرح مسجدِ اقصیٰ کی ملکیت وتولیت کا حق بھی مسلمانوں کو منتقل ہوگیا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر مسجدِ حرام پر مشرکین کی تولیت کی منسوخی کے متعلق سورۃ الانفال کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَا لَهُمْ اَلاَّ يُعَذِّبَهُمْ اللهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَاءَهُ إِنْ اَوْلِيَاءُهُ اِلاَّ الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لاَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال ۸:۳۴)

''اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے، حالانکہ وہ مسجدِ حرام میں آنے سے لوگوں کو روکتے ہیں، جبکہ وہ اس پر تولیت کا حق بھی نہیں رکھتے۔ اس کی تولیت کا حق تو صرف پرہیز گاروں کا ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

اس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا کہ مشرکین مسجدِ حرام پر تولیت کا حق نہیں رکھتے۔ تولیت کا حق تو صرف پرہیز گاروں کو ہے۔ اگر مشرکین پرہیز گار نہ ہونے کی وجہ سے مسجد حرام کی تولیت کے حق دار نہیں ہیں تو یہود اس قدر گھناؤنے جرائم میں ملوث ہونے اور مغضوب علیھم ہونے کے باوجود مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے حق دار کیسے ہو سکتے ہیں؟ اشراق کے مضمون نگار اس آیتِ مبارکہ کے نزول کے بعد رسول اکرم ﷺ کے طرزِ عمل پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''لیکن بیت اللہ پر مشرکین کی تولیت کے حق کو خود رسول اللہ ﷺ نے عملاً اس وقت تک چیلنج نہ کیا جب تک ۹ ہجری میں قرآنِ مجید میں اس کے بارے میں واضح ہدایت نازل نہیں ہوگئی۔ حتیٰ کہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد بھی جب مشرکین کی سیاسی قوت وشوکت بالکل ٹوٹ چکی تھی اور بیت اللہ کا حق تولیت ان سے چھین لینے میں کوئی ظاہری مانع موجود نہیں تھا، آپ نے کعبہ کی تولیت کے سابقہ انتظام ہی کو برقرار رکھا اور اس سال مسلمانوں نے اسی انتظام کے تحت ارکانِ حج انجام دیئے۔ مشرکین کو بھی اس سال حج بیت اللہ سے نہیں روکا گیا۔''

مذکورہ بالا استدلال محض کج فہمی اور کج بحثی کے زمرے میں آتا ہے۔ ورنہ مصنف موصوف کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اس استدلال کا اطلاق مسجدِ اقصیٰ پر نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا غور فرمایئے ۲ ہجری سے لے کر ۸ ہجری تک مشرکین سے تولیت لینے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ۸ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ کو کعبۃ اللہ کی چابیاں پیش کی گئیں جنہیں آپؐ نے کعبۃ اللہ کے سابقہ متولی (عثمان بن طلحہ) کے حوالہ کردیا۔ آپ کا یہ اقدام یہ ثابت نہیں کرتا کہ آپؐ کو قرآنِ مجید کے مذکورہ حکم کی پرواہ نہیں تھی۔ بلکہ آپؐ کا یہ فیصلہ اس عظیم الشان اور عدیم النظیر تالیفِ قلوب کے مظاہروں میں سے ایک تھا جس پر انسانیت ہمیشہ فخر کرے گی۔ آپؐ کے اس عمل مبارک سے جو نتیجہ اشراقی مصنف نے نکالا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ابوسفیان کے گھر کے متعلق فرمایا:

''اگر کوئی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا تو وہ محفوظ ہوگا۔''

www.KitaboSunnat.com

ایسا آپ نے اس سے پہلے یا بعد میں کبھی نہیں کیا تھا۔ آپ کی مروّت، تالیفِ قلب اور وسعتِ قلبی کا نتیجہ تھا کہ کعبہ کے متولی جلد ہی مسلمان ہوگئے اور بعد میں بھی یہ سعادت ان کے خاندان کو حاصل رہی۔ آپؐ کی نگاہِ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ وقتی طور پر کعبہ کی تولیت مشرکوں کے پاس رہنے دینے سے کس قدر عظیم نتائج مرتب ہوسکتے ہیں۔ دراصل یہ نبی کریم کی ان مشرکین کو مسلمان کرنے کی حکمتِ عملی تھی۔ آپؐ کے اس اسوۂ حسنہ کو مسجد اقصیٰ کے معاملے میں آخر کس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ جب مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ کو فتح کیا تو یہودیوں میں سے کوئی بھی اس کا متولی موجود نہ تھا اور نہ ہی کسی سے اس طرح کی تالیفِ قلب کے اظہار کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح عیسائی پادریوں سے حسن سلوک سے کام لیا، ان سے یہ بعید نہ تھا کہ وہ یہودیوں سے بھی ویسا سلوک کرتے۔ جب یروشلم کی فتح کے موقع پر کوئی ہیکل سلیمانی تھا نہ اس کا متولی، تو پھر فتح مکہ اور فتح یروشلم کے واقعات کو ایک سطح پر لانا قیاس مع الفارق ہے۔

اشراقیوں کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ یہ لوگ احادیث کے بظاہر منکر تو نہیں ہیں، مگر کتبِ احادیث کو 'تاریخ' کا درجہ دے کر زیادہ قابل اعتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اگر اشراقی محقق احادیث کا مطالعہ فرما لیتے تو وہ بات شاید کبھی نہ کرپاتے جو انہوں نے غیر ذمہ داری سے کر ڈالی۔ وہ تو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فتح مکہ کے تقریباً ایک سال بعد تک رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری مشرکین کو دیئے رکھی، جو کہ درست نہیں ہے۔ اصل حقائق یہ ہیں کہ فتح مکہ کے بعد کعبۃ اللہ کی تولیت مشرکوں کے پاس چند گھنٹے بھی نہ رہی۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی 'سیرۃ الرسولؐ' سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''اس کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے چابی لی، بیت اللہ کا دروازہ کھولا، اس میں بت رکھے تھے، ان میں ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے مجسّمے بھی تھے، جن کے ہاتھوں میں قسمت آزمائی کے تیر تھمائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کو برباد کرے، بخدا! انہوں نے ان تیروں کے ساتھ کبھی قسمت آزمائی نہیں کی تھی۔ آپؐ نے بیت اللہ کے اندر موجود سب تصویروں کو مٹانے اور تمام بتوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ، بلالؓ، اسامہؓ اور عثمانؓ چار آدمی بیت اللہ میں داخل ہوئے، تو دروازہ بند کردیا گیا۔ دروازے کے سامنے کی جانب دیوار کی طرف بڑھے، جب تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا تو آپؐ نے کھڑے ہوکر وہاں نماز پڑھی پھر دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ قریش نے صفیں باندھیں اور مسجد میں منتظر تھے کہ دیکھیں آج ان

www.KitaboSunnat.com

کا کیا حشر ہوتا ہے۔ آپؐ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کیا: اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے، اپنے بندے کی امداد فرمائی ہے اور اکیلے نے سب دشمن فوجوں کو شکست دے دی ہے۔ آج زمانۂ جاہلیت کی فضیلت کے طریقے، مال اور خون کے قدیم دعوے سب ختم کئے جاتے ہیں۔ ہاں بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز بدستور قائم رہے گا.....

''پھر فرمایا: اے جماعتِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟'' سب یک زبان ہو کر بولے۔ ہم بہتر سلوک کی توقع کرتے ہیں، آپؐ معزز بھائی اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر یہ بات ہے تو میں آج تم سے وہی بات کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کی تھی: ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ (یوسف:۹۲) ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف فرمائے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' جاؤ تم آزاد ہو.....!!

پھر آپؐ مسجدِ حرام میں بیٹھے۔ بیت اللہ کی چابی آپؐ کی ہاتھ میں تھی، حضرت علیؓ نے درخواست کی! ''یارسول اللہ ﷺ! چابی ہمیں دے کر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے دونوں اعزاز سے ہمیں سرفراز فرمایئے۔'' ایک روایت میں ہے کہ یہ درخواست حضرت عباسؓ نے آپؐ کے سامنے پیش کی تھی مگر آپؐ نے فرمایا: 'عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟'' اس کو بلایا گیا تو آپؐ نے یہ کہتے ہوئے کہ آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے، چابی عثمان کی طرف بڑھائی اور فرمایا: عثمان! ''اپنی یہ چابی لے لو'' ایک روایت میں ہے کہ آپ یہ چابی حضرت عباسؓ کو دینا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الاَمٰنٰتِ إِلٰى اَهْلِهَا﴾ (النساء:۵۸)

''اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو لوٹائی جائیں۔''

علامہ ابن سعد نے 'طبقات' میں عثمان بن طلحہ کا بیان نقل کیا ہے کہ

ہم خانہ کعبہ کا دروازہ ہفتہ میں سوموار اور جمعرات، دو دن کھولا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہونے لگے، تو میں نے دروازہ بند کر دیا اور آپؐ کو کچھ نازیبا کہا۔ آپؐ نے میری اس حرکت کو برداشت کیا اور فرمایا: ''عثمان! ایک دن آئے گا تو دیکھے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ میں جسے چاہوں گا، دوں گا۔ میں نے کہا: یہ تب ہوگا، جب قریش ہلاک ہو جائیں گے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ اس دن قریش زندہ ہوں گے اور عزت پائیں گے۔'' آپؐ خانہ کعبہ میں داخل تو ہو گئے مگر آپؐ کی یہ بات میرے دل میں

www.KitaboSunnat.com

جم گئی اور میں نے یقین کرلیا کہ جو آپؐ نے فرمایا ہے، ایسا ہوکر رہے گا۔
جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ''عثمان! چابی لاؤ'' میں نے چابی لاکر دے دی۔ آپؐ نے وہ چابی اپنے ہاتھ میں لی، پھر یہ کہتے ہوئے واپس کردی: ''یہ چابی لو، یہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ اگر کوئی تم سے چھینے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ عثمان! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے، اس کی آمدنی دستور کے مطابق اپنے استعمال میں لاؤ۔'' پھر جب میں جانے لگا، تو آپؐ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''جو کچھ میں نے کہا تھا، وہی ہوا یا نہیں؟'' عثمان کہتا ہے: مجھے آپؐ کی وہ بات یاد آ گئی جو آپؐ نے ہجرت سے قبل مجھے مکہ میں فرمائی تھی۔ میں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔'' (یعنی میں مسلمان ہوگیا)
(سیرۃ الرسول: صفحہ ۵۴۱ تا ۵۴۴)

قارئین کرام! اسلامی تاریخ کا یہ ایمان افروز واقعہ ہم نے تفصیل سے نقل کردیا ہے، اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو کعبۃ اللہ کی چابیاں کس روحانی فضا میں واپس کی تھیں اور پھر آپؐ کی کرم گستری کا عثمان پر کس قدر جلد اثر ہوا۔ کیا ہم توقع رکھ سکتے ہیں کہ اشراقی مصنف ان تاریخی حقائق کو پڑھنے کے بعد اپنے اس معکوس استنباط سے رجوع فرمائیں گے؟ اللہ پاک ہم سب کو ہدایت دے!!

۹ ہجری میں سورۃ براءۃ کی یہ آیات نازل ہوئیں:
﴿مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُوْلٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ، إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الاٰخِرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى أُوْلٰئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (سورۃ توبہ: ۱۷، ۱۸)
''مشرکوں کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے کفر کی شہادت خود دیتے ہوئے، وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مساجد کو آباد کرنے کا حق تو صرف ان کو ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ انہی لوگوں کے ہدایت یافتہ ہونے کی اُمید ہے۔''
﴿فَلَا يَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (توبہ: ۲۸/۸)
''لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔''

قارئین کرام! اس آیتِ مبارکہ کو غور سے پڑھنے کے بعد اشراقی مصنف کا 'علمی

www.KitaboSunnat.com

استدلال' بھی ملاحظہ فرمایئے، فرماتے ہیں:

''اس حکم کے نازل ہونے کے بعد ۹ ہجری میں حج کے موقع پر سیدنا علیؓ نے یوم النحر میں سورۃ براءت کی ابتدائی چار آیات پڑھ کر سنائیں جن میں مشرکین پر اتمامِ حجت اور ان سے اللہ ورسول کی براءت کا اعلان ہے، اور پھر اعلان کر دیا کہ آج کے بعد نہ کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل ہو سکے گا..... ۹ ہجری میں جب سورۃ براءۃ میں مشرکین پر اتمامِ حجت اور ان سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی براءت کا اعلان کیا گیا تو اس کے ساتھ قرآن مجید میں باقاعدہ یہ حکم نازل ہوا کہ اب بیت اللہ پر مشرکین کسی قسم کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ لہٰذا آج کے بعد ان کو مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے دیا جائے۔''

اس آیت کے نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس اُصول کو سامنے رکھیں تو مذکورہ استدلال کے حوالے سے سب سے پہلا یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا قرآن وسنت میں کوئی ایسی نص موجود ہے جس میں یہود کے مذکورہ مذہبی واخلاقی جرائم کی بنیاد پر ان کے حق تولیت کی تنسیخ کا فیصلہ کیا گیا ہو؟ کیا جس طرح مسجدِ حرام پر مشرکین مکہ کے حق تولیت کی تنسیخ کا دوٹوک اعلان قرآن وسنت میں کیا گیا ہے، اس طرح مسجدِ اقصیٰ اور یہود کے بارے میں بھی کوئی صاف اور صریح نص وارد ہوئی ہے؟ ہمارے علم کی حد تک اس کا جواب نفی میں ہے اور قرآن وسنت کی تصریحات، سیرۃِ نبوی، تاریخ اسلام اور فقہا کی آرا میں متعدد قرائن اس کے خلاف ہیں۔'' (اشراق: اگست ۲۰۰۳ء)

مصنف کے ان مباحث کے متعلق ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ اس طائفہ نو اعتزال نے اپنی محققانہ خیال آرائیوں کیلئے قرآن وسنت کو بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے، جب چاہتے ہیں ان کو اپنے عقل پرستانہ استدلال کا تختۂ مشق بنا دیتے ہیں۔ اس ضمن میں چند باتیں قابل غور ہیں:

① سورۃ براءت کی مندرجہ بالا آیات کا تولیت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، ان آیات میں مشرکوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکا گیا ہے، تو پھر فاضل مصنف نے اس سے مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے مسئلہ کے لئے اُصول کہاں سے وضع کر لیا؟

② ۹ ہجری میں مشرکین سے صرف براءت کا اعلان ہوا، کعبۃ اللہ کی تولیت کا مسئلہ تو پہلے ہی طے کر دیا گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس میں تولیت کا ذکر نہیں ہے۔ تو پھر اس سے مصنف کے استدلال کا جواز آخر کیا رہ جاتا ہے؟

③ کعبۃ اللہ کی تولیت کے متعلق حکم ۲ ہجری میں ہی نازل ہوا، اس کی عملی صورت ۸ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر وقوع پذیر ہوگئی۔

www.KitaboSunnat.com

④ مصنف اگر معتزلائی روشن خیالی کے زیر اثر نہ ہوتے تو یہ سوال کبھی نہ کرتے کہ ''کیا یہود کے حق تولیت کی تنسیخ کے لئے قرآن وسنت میں کوئی نص موجود ہے۔'' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے متعلق ایک طرح کے الفاظ کی توقع رکھنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی میں مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کو فتح حاصل نہیں ہوئی، تو اس کے متعلق احکامات قرآن وسنت میں کیسے وارد ہوجاتے؟

⑤ مسجدِ حرام کے متعلق احکامات کے وارد ہونے کے بعد 'مسجد اقصیٰ' کے متعلق الگ سے نص کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ مذکورہ آیات میں بہت واضح طور پر ارشاد ہے کہ ''مسجدِ حرام کی تولیت کا حق پرہیزگاروں کو ہے۔ مشرکوں کو حق نہیں ہے کہ اپنے کفر کی شہادت خود دیتے ہوئے وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔''

مصنف نے غور نہیں فرمایا ورنہ انہیں یہاں بھی نص قرآنی نظر آ ہی جاتی۔ سورۃ برأت کی آیات میں الفاظ 'مساجد اللہ' ہیں، یعنی جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ حکم صرف مسجدِ حرام تک ہی محدود ہوتا، تو جمع کا صیغہ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا 'اللہ کی مسجدوں' میں مسجدِ اقصیٰ شامل نہیں ہے۔ اگر ہے تو پھر اس پر اس آیت کا اطلاق کیوں نہیں ہوتا۔

اس آیت میں اللہ کی مساجد کی تولیت کا حق 'ہدایت یافتہ' گروہ کو دیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے واضح طور پر مسلمانوں کو 'ہدایت یافتہ' گروہ اور یہودیوں کو گمراہ اور مغضوب کہا ہے۔ اور ہدایت سے مراد 'الکتاب' ہے۔ گویا الکتاب پر ایمان رکھنے والا گروہ ہی ہدایت یافتہ ہے۔ تو پھر اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی مساجد بشمول مسجد اقصیٰ پر تولیت کا حق صرف اور صرف مسلمانوں کو ہے۔

⑥ اہل اشراق کی یہ عادت بن چکی ہے کہ جو بات ان کی عقل میں نہ آئے اس کے لئے فوراً قرآن وسنت سے 'صریح نص' پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ تاثر دینا مقصود ہوتا ہے کہ ان کا موقف تو عین قرآنی تعلیمات کے مطابق ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ آپ تو مسجد اقصیٰ کی تولیت کی منسوخی کے لئے قرآن مجید سے 'صریح نص' تلاش کرتے پھر رہے ہیں، ہم آپ سے کہتے ہیں کہ آپ قرآن مجید سے صریح نص ڈھونڈ کر دکھا دیں جس میں پانچ نمازوں کا حکم اور ان کے اوقات مقرر کئے گئے ہوں،

www.KitaboSunnat.com

یہ تو اتنی اہم بات ہے کہ آپ بھی روزانہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں..... یہ تجدد پسندوں کا وہ گروہ ہے جس نے عقلی موشگافیوں میں پڑ کر شادی شدہ زانی کے لئے 'رجم' کی سزا سے انکار کردیا ہے۔

نجانے قرآن وسنت کی وہ کون سی تصریحات ہیں اور سیرتِ نبوی کے وہ کون سے واقعات ہیں جس سے مصنف کے خیال میں یہودیوں کا مسجد اقصیٰ پر حق تولیت ابھی تک قائم ہے؟ جو کچھ انہوں نے اپنے مقالہ میں پیش کیا ہے، اس سے تو ان کے موقف کی نفی ہوتی ہے نہ کہ تصدیق۔ ہم منتظر ہیں کہ وہ اپنے کسی دوسرے 'علمی مضمون' میں ان 'تصریحات' پر روشنی ڈال کر ہمیں مستفید فرمائیں گے۔

حق تولیت کی منسوخی کے خلاف اشراقی دلائل

اشراقی مضمون نگار نے اس مضمون کے آغاز میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس موضوع کا 'قرآن وسنت کی روشنی میں بے لاگ' جائزہ لیں گے اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں 'عدل وانصاف کا دامن کسی حال نہیں چھوڑیں گے۔'' اگر تو 'بے لاگ' جائزے کا ان کے ذہن میں تصور یہ ہے کہ اپنے عقلی نکتہ آرائیوں کے مقابلے میں ملتِ اسلامیہ کے اجماعی موقف کا ردّ پیش کردیا جائے اور اپنے پہلے سے قائم کردہ مفروضات کو 'تحقیق' کے نتیجے میں درست قرار دیا جائے، تو بلاشبہ مصنف 'بے لاگ' جائزہ لینے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اگر ان کے پیش نظر 'بے لاگ' کا وہی مطلب ہے جو کہ عام طور پر لیا جاتا ہے تو پھر مشرکوں (یہودیوں) کی ہم نوائی میں شرمندگی کے سوا شاید ہی ان کے مقدر میں اور کچھ آسکے۔

قرآنِ مجید نے یہ تو ہدایت دی ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں ان کے خلاف ناانصافی پر نہ اُبھارے، مگر قرآن مجید کی یہ تعلیمات ہرگز نہیں کہ کسی غیر قوم کی دوستی تمہیں اپنی قوم یعنی ملتِ اسلامیہ کی توہین وتخفیف پر اُبھارے، اشراقی مصنف نے درحقیقت مؤخر الذکر 'کارنامہ' انجام دیا ہے، اب اس پر اگر وہ اِتراتے ہیں تو پھر ان کو 'پندار' سے کون روک سکتا ہے!!

ملتِ اسلامیہ کے جید علما نے مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے متعلق یہودیوں کے حق کی منسوخی کے متعلق جو استدلال کیا ہے، نوخیز اشراقی سکالر اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ موصوف نے جو دلائل قائم کئے ہیں، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

www.KitaboSunnat.com

① اللہ کے نبیوں کے تعمیر کردہ خانہ خدا کی تولیت کے معاملے میں بھی مشرکین اور اہل کتاب کے مابین فرق کو لازماً ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

② مشرکین مکہ کے برخلاف اہل کتاب کو محض سیاسی لحاظ سے مغلوب کرنے تک حکم کو محدود رکھا گیا ہے اور مذہبی مراکز پر ان کے حق تولیت کو اشارۃً بھی چیلنج نہیں کیا گیا۔

③ رسول اکرم ﷺ کے ارشادات میں کہیں بھی مسجد اقصیٰ کی تولیت کی قانونی وشرعی حیثیت کو زیر بحث نہیں لایا گیا اور نہ اس حوالہ سے آپؐ نے صحابہؓ کو کوئی ہدایت دی۔

④ صحابہؓ کے ذہن میں مسجدِ اقصیٰ کے حق تولیت کا کوئی تصور نہ تھا۔

⑤ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو امیر المؤمنین نے یہاں کے باشندوں کے ساتھ ایک تاریخی معاہدہ کیا لیکن مسجد اقصیٰ کی تولیت کا معاملہ اس میں بھی زیر بحث نہ آیا۔

⑥ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں غیر مسلموں کو ضرورت کے تحت تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن بیت المقدس کے حوالے سے اس قسم کی کوئی ہدایت اسلامی قوانین میں نہیں دی گئی۔ حرمین شریفین اور بیت المقدس کے احکام میں اس فرق کی آخر کیا توجیہ کی جائے؟

⑦ فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرے میں اس بات کی تصریح نہیں تھی کہ مسجدِ اقصیٰ کو اہل کتاب کے تصرف سے نکال کر اہل اسلام کی تولیت میں دے دیا گیا ہے۔

مصنف کے ان دلائل کے ردّ میں ہماری معروضات درج ذیل ہیں:

❶ تمام معاملات میں مشرکین اور اہل کتاب کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ بعض، بالخصوص سیاسی نوعیت کے، معاملات میں یہود سے مشرکین کی نسبت زیادہ سخت برتاؤ کیا گیا۔ مدینہ اور خیبر سے رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی میں یہودیوں کو نکال باہر کیا گیا مگر فتح مکہ کے وقت مشرکین کے ساتھ رحم دلی کا جو سلوک جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے اَدوار میں ریاست ِمدینہ کی یہودیوں کے متعلق جو پالیسی رہی، اس کو سامنے رکھا جائے تو یہود مشرکین سے بھی زیادہ سخت پالیسی کے مستحق سمجھے جائیں گے۔ اشراقی مصنف نے قیاس مع الفارق کا شکار ہوکر

www.KitaboSunnat.com

غلط استدلال کیا ہے، ان کے ذہن پر صرف 'تولیت' ہی سوار ہے، انہیں اس مسئلہ کو اسلامی تاریخ کے وسیع تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

❷ 'اہل کتاب کو سیاسی لحاظ سے مغلوب کرنے تک محدود' رکھنے کا استدلال محض مصنف کی اختراع اور تجدد پسندی ہے، انہیں یہ خیال بالکل ہی نہیں رہا کہ مدینہ اور خیبر میں یہودیوں کو مغلوب کر لینے تک اکتفا نہ کیا گیا بلکہ انہیں جزیرۂ عرب سے بے دخل بھی کیا گیا۔ مزید برآں مصنف نے قرآنِ مجید کی جس آیت سے استنتاج (Inference) فرمایا ہے، وہ بھی ان کے فکرِ اعتزال سے متاثر ہونے کا شاخسانہ ہے، ورنہ اس آیت سے قطعاً وہ ثابت نہیں ہوتا جو وہ فرماتے ہیں، وہ آیت درج ذیل ہے:

﴿ قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الاٰخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوْا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾ (سورۂ توبہ:۲۹)

''اہل کتاب کے ساتھ، جو نہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق کی پیروی اختیار کرتے ہیں، برسر جنگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ زیردستی قبول کر کے ذلت کی حالت میں جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔''

اس آیت میں اگر مذہبی مراکز پر یہودیوں کے حق تولیت کا ذکر نہیں ہے، تو اس میں تعجب کا کون سا قرینہ ہے۔ جزیرہ نما عرب میں آخر کون سی ایسی عبادت گاہ تھی جس کی تولیت تصفیہ طلب تھی اور اس کے متعلق قرآنی فیصلہ صادر کیا جاتا؟ یہ عجیب منطق ہے کہ چونکہ اہل کتاب کو مغلوب کرنے اور ان سے جزیہ لینے جیسے احکامات پر مبنی آیت میں اگر تولیت کا ذکر نہیں ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود کا حق تولیت منسوخ نہیں ہوا۔ ایسی منطق سے تو ہر معقول بات کی تردید کی جاسکتی ہے، مسئلہ تولیت کو آخر کیا خصوصیت حاصل ہے۔ کسی چیز کے عدمِ ذکر وسکوت سے اس کا وجود ثابت کرنا کوئی مستند استدلال نہیں۔

❸ اگر رسولِ اکرم ﷺ کے ارشادات میں مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کے متعلق کوئی صریح ہدایت موجود نہیں ہے، تو یہ بات قابل فہم ہے اور عقل عام کا تقاضا ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام کی طرح مسجدِ اقصیٰ پر فوری قبضے کا کوئی معاملہ آپؐ کے پیش نظر تھا ہی نہیں۔ خانہ کعبہ کی طرح وہاں کوئی عمارت بھی نہ تھی جس کی تولیت کی بات کی جاتی۔ ثانیاً

www.KitaboSunnat.com

قرآنِ مجید میں چونکہ مسجدِ حرام کے حوالے سے ایک اُصول بیان کردیا گیا تھا کہ 'اللہ کی مساجد' پر تولیت کا حق صرف ہدایت یافتہ یعنی مسلمانوں کو ہے، اسی لئے آپ نے اس کی وضاحت ضروری نہ سمجھی، ثالثاً اس وقت یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ بھی نہ تھا ورنہ کسی نہ کسی صحابی نے آپؐ سے اس کی وضاحت ضرور طلب کی ہوتی، مسجدِ اقصیٰ کی تولیت کا مسئلہ بعد میں سامنے آیا، درحقیقت یہ کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں کیونکہ کوئی حریف گروہ اس کے استحقاق کا دعویدار ہی نہیں تھا۔

❹ صحابہ کرامؓ کے ذہن میں مسجد اقصیٰ کی مفروضاتی تولیت کا مسئلہ کیونکر آتا؟ ان کے دور تک تو کسی یہودی نے وہاں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ تو قرآن مجید کی سورۃ الانفال کی روشنی میں بالکل واضح سوچ رکھتے تھے کہ مسجد اقصیٰ کے متعلق اگر تولیت کا کبھی مسئلہ سامنے بھی آیا تو اس پر مسلمانوں کو ہی حق حاصل ہوگا۔ وہ دور از کار تاویلات میں جانے والے نہ تھے جس طرح کی معتزلہ اور ان کی روحانی ذرّیت آج کل تاویل تراشی میں مبتلا نظر آتی ہے۔

❺ حضرت عمرؓ کے معاہدے میں تولیت کے ذکر کی توقع رکھنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ نجانے مصنف نے یہ کیسے فرض کرلیا چونکہ اس کا معاہدے میں ذکر نہیں لہٰذا حضرت عمرؓ مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے حق تولیت کو مانتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت یہ بات کسی کے ذہن میں نہ تھی کہ یہودی اسی جگہ پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے اس نکتہ پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔

❻ سیکورٹی اور اسلامی ریاست کے تحفظ اور رازداری کی وجہ سے مکہ و مدینہ کا بیت المقدس سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت عمرؓ جزیرۃ العرب کو غیر مسلموں سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔ چونکہ بیت المقدس اس سے باہر تھا، اس لئے سیکورٹی کے اس اُصول کو وہاں نافذ نہیں کیا۔ معلوم نہیں اس مسئلہ کا حق تولیت سے کیا تعلق ہے جو مصنف اس کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں؟

❼ مصنف کا دعویٰ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ فقہا نے اس اہم معاملے سے چونکہ تعرض نہیں کیا لہٰذا 'عدمِ تعرض' ہی اس تصور کی نفی کے لئے کافی ہے۔ ہم پہلے ہی عرض کرچکے ہیں کسی چیز کے بارے میں عدم تعرض یا سکوت کسی دوسری شے کے وجود وثبوت کو مستلزم نہیں ہے۔ فرض کیجئے اگر 'عدمِ تعرض' کے فلسفہ کو قابل اعتنا ہی سمجھ لیا جائے تو کسی چیز کے متعلق عدمِ تعرض

www.KitaboSunnat.com

سے جہاں ایک چیز ثابت ہوسکتی وہاں دوسری بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

مصنف نے عدمِ تعرض سے یہودیوں کے حق تولیت کی تنسیخ کی نفی ثابت کرنی چاہی ہے ہم کہتے ہیں کہ بعض اوقات ایک مسلمہ اور ثابت شدہ، غیر متنازع بات کے متعلق بھی عدمِ تعرض سے کام لیا جاتا ہے۔ کسی چیز سے تعرض عام طور پر تب کیا جاتا ہے جب اس پر آرا مختلف پائی جائیں۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کی تولیت کا مسئلہ فقہا کے نزدیک متنازعہ نہ تھا، اس لئے ان کے ہاں اس کے عدمِ تعرض کا قرینہ ملتا ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت 'نہایت اہم' نہیں تھا جتنا کہ یہودی لٹریچر پر دماغ سوزی کرنے کے بعد ہمارے ممدوح محقق کو اب محسوس ہوتا ہے۔

مصنف نے یہاں بہت طویل فقہی موشگافیاں بھی فرمائی ہیں۔ ان دلائل میں غامدی صاحب کا مخصوص 'فلسفہ اتمامِ حجت' بھی جلوہ فرما ہے۔ مصنف کو فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرے میں یہودیوں کے حق تولیت کی تائید میں جب کچھ نہ ملا تو انہوں نے اہل کتاب کے مسجد میں دخول وعدم دخول اور اعتقادی نجاست کی بحث کھڑی کردی جس کا مسئلہ مذکور سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔

مصنف سورۃ البقرۃ کی اس آیت ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ کے متعلق بلاضرورت مختلف فقہی مکاتبِ فکر کی آرا پیش کرکے غیر منطقی انداز میں یہودیوں کے حق تولیت کی منسوخی کی نفی کا اعلان کردیتے ہیں۔

مساجد میں مشرکوں کے داخلہ کی علت، وقت اور محل کے لحاظ سے کیا ہے؟ امام شافعی اس پابندی کو علت اور وقت کے لحاظ سے تو عام مانتے ہیں لیکن محل کے لحاظ سے خاص۔ اعتقادی نجاست کی علت چونکہ دوسرے غیر مسلموں میں بھی پائی جاتی ہے، اس لئے کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ مشرک ہو یا اہل کتاب، مسجدِ حرام میں داخل نہیں ہوسکتا۔ امام مالک اور امام احمد کی رائے میں یہ حکم علت، وقت اور محل، ہر لحاظ سے عام ہے یعنی ان کے نزدیک تمام غیر مسلموں کا داخلہ مسجدِ حرام سمیت تمام مساجد میں ہمیشہ کے لئے ممنوع ہے۔ احناف کے نزدیک مسجدِ حرام میں داخلے کی یہ پابندی نہ تمام غیر مسلموں کے لئے ہے اور نہ ہر زمانے کے لئے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اس حکم کی علت مفرد نہیں، بلکہ مرکب ہے۔ احناف تمام مساجد میں غیر مسلموں کے دخول کے جواز کے قائل ہیں۔ مصنف کے علمی مباحث کا ملخص یہی ہے۔ مصنف احناف کی رائے سے استشہاد کرتے ہوئے نتیجہ نکالتے ہیں کہ

www.KitaboSunnat.com

''مسجد اقصیٰ پر مسلمان نہ بلا شرکتِ غیرے تصرف کا استحقاق رکھتے ہیں اور نہ یکطرفہ طور پر اس پر اسلامی شریعت کے احکام نافذ کرنے کے مجاز ہیں۔''

قارئین کرام! یہاں 'ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ' والی مثال صادق آتی ہے۔ مسجد میں داخلے کی اجازت سے موصوف یہودیوں کے حق تولیت کو ثابت کرنے کی سعی فرماتے ہیں۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر اعتقادی نجاست غیر مسلموں کے مساجد کے معاملے میں حائل نہیں ہے اور اس بنا پر انہیں مسجد اقصیٰ کی تولیت کی حق بھی مل جاتا ہے تو پھر مسجد اقصیٰ تک ہی کیوں موقوف رکھا جائے، باقی تمام مساجد میں بھی جہاں انہیں داخلہ کا جواز ملتا ہے، وہ حق تولیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے ان اشراقیوں پر جن کے تمام دین کا انحصار ان کی عقل پر ہے۔ کہاں مسجد میں غیر مسلموں کے دخول اور عدمِ دخول کا معاملہ اور کہاں حق تولیت کی اُصولی بحث۔ مصنف نے جس تنکے کے سہارے اپنے استدلال کی عمارت اٹھائی ہے، وہ یہ ہے کہ بعض احناف رسول اللہ ﷺ کے دور میں مشرکین عرب کی مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت کی وجہ ان کو اُمورِ تصرف وتولیت سے بے دخل کر دینا سمجھتے تھے۔ یقیناً یہ ایک وجہ بھی ہے، مگر مشرکوں کو داخلہ کی اجازت نہ دینے کی اور بھی تو کئی وجوہات ہیں۔ پھر مصنف خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان احناف کی رائے جمہور فقہا کی رائے کے برعکس ہے۔ (اشراق: اگست ۲۰۰۳ء، ۴۷)

مسلمانوں کے حق تولیت کی تائید میں دلائل

راقم الحروف کے نزدیک مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے حق تولیت کے حق میں سب سے اہم شرعی دلیل سورۃ توبہ اور سورۃ الانفال کی وہ آیات ہیں جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ سورۃ انفال میں مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا کہ ''وہ اس (مسجد حرام) پر تولیت کا حق بھی نہیں رکھتے، اس کی تولیت کا حق تو صرف پرہیزگاروں کا ہے۔'' (آیت: ۳۴)

پھر سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

''مشرکین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کے مجاور وخادم بنیں، درآں حالے کہ اپنے اوپر وہ خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں۔ ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے اور جہنم میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مجاور وخادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، انہی سے یہ توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ چلیں گے۔'' (آیات: ۱۷، ۱۸)

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کے حق تولیت کے متعلق یہ بالکل واضح آیات ہیں۔ ان آیات میں جو خصوصیات وانجام مشرکوں کا بتایا گیا ہے، اس کا اطلاق اہل کتاب یہود پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ یہودی مشرکین کی طرح اپنے کفر کی شہادت دے رہے تھے، وہ اگرچہ اللہ کو مانتے ہیں اور بعض الہامی کتب پر یقین رکھتے ہیں مگر اسلام نہ لانے کی وجہ سے ان کے سارے اعمال ضائع ہوگئے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ مشرکوں کی طرح ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بات تو تسلیم شدہ کہ وہ سیدھی راہ پر نہیں ہیں۔ ان مشترک باتوں کی وجہ سے مسجد حرام اور مشرکوں کے معاملے کا اطلاق یہود اور مسجدِ اقصیٰ پر ہوتا ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ مسجد اقصیٰ پر نہیں ہے، ہیکل سلیمانی پر ہے، قرآن مجید نے مسجدِ اقصیٰ کی بات کی ہے، ہیکل کا ذکر نہیں کیا۔ مصنف کی یہ دلیل درست نہیں ہے کہ تولیت کے متعلق مشرکوں اور اہل کتاب کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔ ہم ان آیات کو ایک طرح سے مسلمانوں کے حق تولیت کے متعلق نص سمجھتے ہیں۔ بالفرض ان آیات میں مسجد اقصیٰ کا صریح ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اگر بعض حضرات اس کے غیر منصوص ہونے پر اصرار کریں، تب بھی مندرجہ بالا آیات ایسے غیر منصوص مسئلہ کے متعلق بنیادی اُصول فراہم کرتی ہیں۔ قرآنِ مجید کے متعدد اُصولوں کی روشنی میں جب سینکڑوں غیر منصوص مسائل کا حکم لگایا جاسکتا ہے، تو ان واضح تر اُصولی آیات کی روشنی میں مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے حق تولیت کو تسلیم کرنے میں آخر کون سا امر مانع ہوسکتا ہے؟

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ علمائے اسلام نے قرآنِ مجید میں پیش کردہ واقعات مثلاً واقعہ معراج، تحویل قبلہ وغیرہ سے بھی مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا حق تولیت اخذ کیا ہے۔

چنانچہ سید سلیمان ندوی 'سیرت النبیؐ' میں واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورۃ کے جلی عنوانات کیا ہیں: (۱) یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔ اور

(۲) یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان وکلید بردار بنائے گئے، ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسبِ وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری سپرد کی جاتی ہے...... آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کے سبب آنحضرت ﷺ کو کعبہ اور بیت المقدس، دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس لئے معراج میں آپ کو مسجد

www.KitaboSunnat.com

حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیا کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہوجائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوئی ہے۔'' (سیرت النبیؐ:۳/۲۵۲،۲۵۳)

پھر آپ تحویل قبلہ کو یہود کے حق تولیت کی معزولی کا حکم نامہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت اُمتِ محمدیہ کا حق تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو اس تولیت کی بشارت دی تھی اور فرما دیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔'' (سیرت النبیؐ:۳/۳۸۵)

اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

''واقعہ معراج کی طرف اشارہ جس میں حقیقت ..... کہ اب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں گھروں کی امانت خائنوں اور بدعہدوں سے چھین کر نبی اُمی ﷺ کے حوالہ کی گئی۔ اب یہی ان مقدس گھروں اور ان کے انوار و برکات کے وارث اور محافظ و امین ہوں گے اور ان کے قابضین..... مشرکین قریش و یہود..... عنقریب ان گھروں کی تولیت سے بے دخل کردیئے جائیں گے۔'' (تدبر قرآن:۳/۱۴۷)

یادش بخیر مولانا اصلاحی صاحب اشراقیوں کے امامِ ثانی مانے جاتے ہیں۔ امامِ ثالث، اپنی تحریروں میں انہیں 'الاستاذ' کا درجہ دیتے ہیں۔ مگر اشراق کے مضمون نگار واقعہ معراج کی روشنی میں حق تولیت کے متعلق مولانا اصلاحی صاحب کی 'تاویل بشارت' کو تسلیم کرتے ہیں نہ سید سلیمان ندوی صاحب کی مؤثر وضاحت ان کے نزدیک قابل اعتنا ہے۔

ان اقتباسات کو درج کرنے کے بعد چند نکتہ آرائیاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان دلائل سے واضح ہے کہ ہمارے اہل علم کی ایجاد کردہ واقعہ اسراء کی یہ تازہ تعبیر علمی لحاظ سے بالکل بے بنیاد ہے۔''

اس ضمن میں مسلمان علما چند دیگر دلائل بھی دیتے ہیں مثلاً 'فتح بیت المقدس کی بشارت' اور نصاریٰ کی کتابوں میں پیش گوئیاں جس کی رو سے نصاریٰ بھی بیت المقدس کو اسلام کا حق سمجھے ہوئے تھے (بقول مولانا قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند) مگر مضمون کی طوالت کے خوف سے ان سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

قرآن وسنت کے یہی وہ حوالہ جات ہیں جس کو بنیاد بناتے ہوئے ملتِ اسلامیہ نے مسجد اقصیٰ کی تولیت کے متعلق اپنا موقف قائم کیا ہے۔ اگر قلب ونظر میں اسلامی حمیت کا چراغ روشن ہو، تو یہ

www.KitaboSunnat.com

دلائل انسان میں اس قدر اُجالا کردیں کہ وہ تشکیک اور تذبذب کی وادیوں میں کبھی بھٹکتا نہ پھرے۔

ارضِ فلسطین پر یہود کا حق؟

اشراق کے اکتوبر ۲۰۰۳ء کے شمارے میں اسی مصنف کے قلم سے ایک اور مضمون 'ارضِ فلسطین پر یہود کا حق' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ پاکستان جیسی نظریاتی ریاست میں اس طرح کے مضامین (اور وہ بھی ایک مذہبی رسالہ میں) کی اشاعت جسارت آمیز ہے، اس مضمون میں بھی مصنف نے اُمت مسلمہ کے موقف کو ناانصافی پر مبنی اور غیر اخلاقی رویہ اختیار کرنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ مصنف سوال کرتے ہیں:

''صحفِ آسمانی ارضِ فلسطین کو خدا کی طرف سے یہود کو عطا کردہ میراث قرار دیتے ہیں، جبکہ ہمارے اہل علم ان کو اس سرزمین میں پردیسی اور اجنبی کے لئے اور اس میں ان کے قیام کو صدیوں اور سالوں کے پیمانوں سے ناپ کر اس حق کو خرافات قرار دیتے ہیں۔'' (ص ۵۹)

نجانے وہ کن صحفِ آسمانی کی بات کرتے ہیں۔ اگر اس سے ان کی مراد وہ صحائف ہیں جو یہودیوں کی ملکیت ہیں تو قرآنِ مجید ان کو محرف قرار دے چکا ہے۔ اگر بالفرض وہ محرف نہ بھی ہوں تب بھی قرآنِ مجید کے آنے کے بعد ان کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ یہ حیرت آمیز سوال کرنے سے پیشتر انہیں غور وفکر کرنا چاہئے تھا کہ آخر جس خدا نے یہود کو وہ میراث عطا کی تھی، اس نے انہیں وہاں سے ذلت ونکبت سے دوچار کرکے نکالا کیوں تھا۔ یہود کا یوں ذلیل وخوار ہوکر نکلنا ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ میراث عارضی تھی اور اس پر ہمیشہ کے لئے 'خدا کی عطا کردہ' کا ٹھپہ نہیں لگا ہوا تھا۔ جب تاریخی اعتبار سے یہ ثابت شدہ ہے کہ یہودی فلسطین پر ۷۰ سال سے زیادہ کبھی مسلسل حکمران نہیں رہے۔ فلسطین میں عربوں کا وجود اسرائیلیوں سے ۲۶۰۰ سال مقدم ہے۔ عرب دنیا کے نامور سکالر علامہ یوسف قرضاوی کا یہ بیان تسلیم کرنے میں آخر کون سی علمی رکاوٹ حائل ہے:

''اگر ان تمام سالوں کو جمع کیا جائے جو یہودیوں نے حملے کرتے اور تباہی پھیلاتے ہوئے فلسطین میں گزارے تو اتنی مدت بھی نہیں بنے گی جتنی انگریز نے ہندوستان میں یا ولندیزیوں نے انڈونیشیا میں گزاری۔ اگر اتنی مدت گزارنے پر کسی کو کسی سرزمین پر تاریخی حق حاصل ہوجاتا ہے تو انگریزوں اور ولندیزیوں کو بھی اس قسم کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر غربت کی حالت میں ایک طویل عرصہ کسی علاقہ میں گزارنے سے اس زمین پر ملکیت کا حق

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوتا ہے تو پھر یہودیوں کو چاہئے کہ وہ فلسطین کی بجائے، جس میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد نے تقریباً ۲۰۰ سال گزارے اور جہاں وہ دو افراد آئے تھے، لیکن ۷۰/ افراد نکل کر گئے، مصر کی ملکیت کا مطالبہ کریں جس میں انہوں نے ۴۳۰ سال گزارے۔ یہودیوں کا فلسطین پر تاریخی حق کا دعویٰ بالکل لغو ہے۔ صحیفوں کی تصریح کے مطابق وہ یہاں محض اجنبیوں کی طرح رہے تو کیا کسی اجنبی یا راہ گیر کو یہ حق ہے کہ وہ اس زمین پر جس نے اس کو ذرا پناہ دے دی یا اس درخت پر جس نے اس کو تھوڑی دیر سایہ فراہم کر دیا، اسی وجہ سے ملکیت کا حق جتا دے کہ اس نے گھڑی کی گھڑی وہاں سستا لیا ہے۔'' (ہفت روزہ 'الدعوۃ' اپریل ۲۰۰۲ء)

❁ اشراقی مضمون نگار نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے ذکر میں فری میسنری تحریک کا ذکر بالکل گول کر دیا ہے، ہیکل سلیمانی کا ذکر فری میسنری کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جا سکتا۔ بشیر احمد اپنی کتاب 'فری میسنری؛ اسلام دشمن خفیہ تنظیم' میں اس تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کے نزدیک دنیا کی عظیم اور قابل تقدیس عبادت گاہ ہیکل سلیمانی یہودی شان وشوکت کی علامت تھا۔ ان کے خیال میں اب اس کی جگہ مسجد اقصیٰ تعمیر ہوگئی ہے جس کو مسمار کر کے دوبارہ ہیکل کا قیام ضروری ہے۔ اس ہیکل کی تعمیر کے نتیجے میں تمام دنیا کے یہودی اپنے مرکز پر جمع ہوسکیں گے اور خداوند یہواہ کی تعریف کے گیت گا سکیں گے۔'' (ص:۱۷)

فری میسنری کی تعلیمات کا ماخذ یہودیوں کے پراسرار باطنی علوم (قبالہ) اور قدیم دیومالائی قصے کہانیاں ہیں۔ قدیم مصری، یونانی، شامی اور بابلی دیومالائی قصوں کو فری میسنری رسومات کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ فری میسن ان دیومالائی داستانوں کے ضمن میں ہی ہیکل سلیمانی کے معمارِ اعظم حیرام ابیف کے مر کر جی اُٹھنے کا واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ ہیکل سلیمانی کی تباہی اور اس کی دوبارہ تعمیر فری میسنری علوم کا اہم باب ہے۔

فری میسنری لاجوں کو چلانے والے مختلف عہدیداروں کے درجات کو دیکھا جائے تو وہاں بھی ہیکل سلیمانی کا تعلق نمایاں نظر آتا ہے۔ لاج میں انجام دی جانے والی رسومات بھی ہیکل سے متعلق ہوتی ہیں۔ فری میسنری لاج کی عمارت ہیکل سلیمانی کا عکس اور نمائندہ ہوتی ہے، اسلئے اس کا منہ مشرق کی طرف ہوتا ہے کیونکہ مزعومہ ہیکل سلیمانی کا منہ مشرق کی طرف تھا۔

کوئی بھی آزادانہ تحقیق کرنے والا شخص جو فری میسنری تحریک اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو کے باہمی تعلق کو جانتا ہے، اس کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ مسجدِ اقصیٰ پر یہودیوں کی تولیت کے حق کو تسلیم کرے۔ فری میسنری چونکہ کاریگر اور مستری قسم کے لوگ تھے، اس لئے انہوں نے

www.KitaboSunnat.com

ہیکل سلیمانی کے گرد اپنے خرافات کا تانا بانا بنا، انہوں نے اپنے مذہبی جنون کا اظہار بھی ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور تعمیر نو کے قصوں کے بیان کرنے میں کیا۔ انہوں نے بہت جلد ہی دیگر یہودیوں میں اپنی خرافات کے متعلق جذباتی وابستگی پیدا کرلی، ورنہ یہود میں ہیکل سلیمانی کی مسجدِ اقصیٰ کو گرا کر تعمیر کرنے کی تحریک قدیم اَدوار میں نہیں تھی۔

فری میسن ایک زبردست تحریک تھی جس نے یورپ کے شاہی گھرانوں، دانش وروں اور اہل سیاست وصحافت، سب کو متاثر کیا۔ برطانیہ کے شاہی خاندان اور امریکہ کے صدور کا اس تحریک سے گہرا تعلق رہا ہے۔ ہندوستان میں جتنے معروف وائسرائے آئے، وہ بھی اس تحریک سے وابستہ تھے۔صہیونی تحریک کا بانی تھیوڈر ہرزل اس تحریک کا پرجوش رکن رہا تھا۔

خلاصۂ بحث: ایسے وقت میں جب فلسطین کے مسلمان اپنی سیاسی جدوجہد کے نازک دور سے گزر رہے ہوں اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہوں، مغربی کنارے پر یہودی اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لئے پختہ فصیل تعمیر کررہے ہوں، جنین، رملہ اور غزہ میں اسرائیلی ٹینک مسلمانوں کی آبادیوں کو تہس نہس کررہے ہوں، جناب یاسرعرفات کا ہیڈکوارٹر گرایا جاچکا ہو، ان کو عملاً بے دست وپا کرکے فلسطینی قیادت سے محروم کردیا گیا ہو، حماس کے لیڈروں کو چن چن کر شہید کیا جارہا ہو، بیت المقدس کی بے حرمتی کی جارہی ہو، آئے دن فلسطینی مسلمان، عورتوں اور بچوں کی چیختی چلاتی تصویروں سے اخبارات بھرے پڑے ہوں، اسرائیلی طیارے شام اور لبنان پر بمباری کررہے ہوں؛ کیا یہی مناسب موقع ہے جس میں ایک مذہبی گروہ کا آرگن تواتر سے اسرائیلی موقف کا پرچار کرتے ہوئے اُمت ِمسلمہ کے موقف کو باطل ثابت کرنے کی مذموم مہم برپا کرے اور 'ارضِ فلسطین پر یہود کا حق' ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت اور تاریخی دستاویز کی من چاہی تاویلات وتعبیرات سے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلے۔ آخر آزادانہ تحقیق کے نام پر حقائق کو مسخ کرنے اور مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ شرمناک کھیل کب تک کھیلا جاسکتا ہے؟ علمائے حق محض مروّت اور رواداری کے جذبات کے تحت ان دل آزار سرگرمیوں کو کب تک نظر انداز کرتے رہیں گے؟

ان سب سوالوں کے جوابات ہمیں اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہئیں۔ یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔ پاکستان میں اسرائیل کو تسلیم کرانے کے لئے برپا کردہ مکروہ مہم کی سرکوبی اور محاکمہ ہر اس مسلمان کا فرض ہے جس کا دل ملت ِاسلامیہ کے غم میں تڑپتا ہے!!

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

مولانا محمد رمضان سلفی
مدیر کلیۃ الشریعۃ

مولانا محمد یحییٰ فیروز پوریؒ

حضرت مولانا محمد یحییٰ بن میاں محمد عیسیٰؒ ان نابغہ روز گار شخصیات میں سے تھے جن کی زندگی غلبہ دینِ متین کی تڑپ میں گذری ہے، آپ نے اپنے آپ کو دینِ اسلام کی آبیاری کے لئے وقف کررکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے مال ومتاع سے بھی نوازا تھا اور آپ کافی زرعی رقبے کے مالک تھے لیکن اس مال ومتاع کو بھی انہوں نے خدمتِ دین کے طور پر استعمال کیا، اور کبھی بھی اسے دین اسلام کی نشر واشاعت میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔

مولانا موصوف ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام بگھیلے والا تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد میاں محمد عیسیٰؒ ولی صفت انسان تھے، مولانا نے اپنے گاؤں کے سکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ دینی تعلیم کی طرف رغبت نے آپ کو عصری سلسلہ تعلیم منقطع کرنے پر مجبور کردیا اور مدرسہ دارالہدیٰ شہر زیرہ اور جامعہ محمدیہ لکھوکے، دارالحدیث فیروز پور اور تعلیم الاسلام (اوڈانوالہ) میں زیر تعلیم رہے۔

اساتذۂ کرام: آپ کے مشہور اساتذہ کرام حسبِ ذیل ہیں:

① مولانا عطاء اللہ لکھویؒ ② مولانا عطاء اللہ حنیفؒ ③ مولانا عبدالقادر الہ آبادیؒ ④ مولانا عبدالقادر حلیمؒ ⑤ مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ ⑥ مولانا شرف الدینؒ ⑦ مولانا محمد اسحٰقؒ ⑧ مولانا محمد یعقوبؒ۔ مولانا شرف الدین سے آپ نے سندِ فراغت حاصل کی اور حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ سے سندِ تفسیر القرآن حاصل کی۔ ۞

تلامذہ

① مولانا عبیداللہ عفیف، شیخ الحدیث جامعہ اہلحدیث، لاہور ② قاری محمد یحییٰ رسولنگری

۞ 'تذکرہ علماء اہلحدیث' از پروفیسر میاں محمد یوسف' (ج ۳/ص ۳۸۳)

www.KitaboSunnat.com

(ساہیوال) ③ مولانا عبدالستار حماد، شیخ الحدیث جامعہ اشاعۃ العلوم (چیچہ وطنی) ④ حکیم حافظ عبدالرحیم زاہد ⑤ مولانا عبدالرحمٰن چیمہ ⑥ مولانا محمد علی کوٹ کبیری ⑦ مولانا محمد حنیف مکی ⑧ مولانا محمد احمد (قوم اوڈ) ⑨ مولانا احمد حسن ⑩ مولانا عبدالغفار ⑪ مولانا محمد عبداللہ ⑫ مولانا عبدالستار ⑬ مولانا عبدالقادر ⑭ مولانا عبدالجلیل ⑮ قاری اللہ بخش ⑯ راقم الحروف

آپ نے 'ترکیب القرآن' کے نام سے سات اجزا پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا صرف ایک 'جزء لن تنالوا' شائع ہوسکا جسے مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور نے شائع کیا۔

مولانا موصوف قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان سے بمع اہل وعیال پاکستان منتقل ہوگئے، اور میاں چنوں شہر کے قریب چک ۱۲۶/۱۵۔ایل میں ڈیرے ڈال دیے، یہیں آپ نے ایک دینی 'مدرسہ دارالہدیٰ' کی بنیاد رکھی، جو صرف دو کچے کمروں پر مشتمل تھا۔ اس میں تدریس کے فرائض آپ خود ہی سرانجام دیا کرتے تھے۔ اپنے ساتھ پڑھانے کے لئے دو معاون اساتذہ کی خدمات بھی حاصل کرتے، لیکن لوگوں سے چندہ کی اپیل کبھی نہیں کرتے تھے۔ جامع مسجد (جو اس وقت کچی اینٹوں سے ہی بنی ہوئی تھی) میں امامت اور خطابت کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔

موصوف صرف ونحو (عربی گرامر) میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، دینی طلبہ میں قواعد صرف ونحو کو راسخ اور پختہ کرنے کے لئے مدارسِ دینیہ میں سالانہ چھٹیوں کے موقع پر ماہِ رمضان میں وہ 'دورۂ صرف ونحو' رکھ لیتے، جس میں دیگر مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ بڑے شوق و ذوق سے شمولیت اختیار کرتے تھے۔ دورہ کی اس کلاس میں قواعدِ صرف ونحو کو بہت اہمت دی جاتی تھی۔ مولانا مرحوم نمازِ فجر سے فارغ ہوکر درسِ قرآن دیتے، اس کے فوراً بعد یہ کلاس جاری ہوجاتی۔ آپ خود پڑھاتے، اور قواعدِ صرف ونحو کا اِجرا کرواتے اور عربی گرامر سے متعلق نادر مسائل زیر بحث آتے۔ آپ کے ہاں طالب علم کی علمی بنیاد مضبوط بنانے کے لئے صرف ونحو کے قواعد کا اِجرا اور ان کی مشق بہت ضروری سمجھی جاتی تھی، فارغ اوقات میں اگرچہ وہ ضروری گفتگو بھی کرتے تھے لیکن عام طور پر ان کی زبان ذکر اللہ سے متحرک رہتی تھی اور اسی میں وہ سکون واطمینان محسوس کرتے تھے۔

www.KitaboSunnat.com

سنتِ نبویؐ سے محبت

مولانا موصوف سنت پر عمل کے بڑے شیدائی تھے اور اس کی مخالفت ان پر بڑی گراں گذرتی تھی، انہوں نے اپنے کھیت میں آم کے درختوں کا باغ لگا رکھا ہے، جب پھل لگتا تو بہت سے خریدار بھاری رقم دینے کی پیش کش کرتے، لیکن آپ کچا پھل کبھی نہ بیچتے، جب یہ پھل سرخ اور زرد (گدر) ہوجاتے، تب انہیں فروخت کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کچے اور سبز پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام اُمورِ خیر کی ابتدا دائیں جانب سے کرنا پسند تھا، آپؐ دائیں ہاتھ سے چیز دیتے اور دائیں ہاتھ سے ہی کوئی چیز لیتے تھے۔ (سنن النسائی، باب التیامن فی الترجل: ص ۱۰۴۱)

مولانا موصوف اس کی سخت پابندی کرتے تھے، دائیں ہاتھ سے چیز لیتے اور دیتے تھے اور لینے والے کو دائیں ہاتھ میں ہی چیز تھماتے تھے، اگر لینے والا بایاں ہاتھ آگے کرتا تو اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتے۔ دوسری بار وہی چیز پکڑاتے اور وہ بایاں ہاتھ ہی آگے بڑھاتا تو اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتے، بائیں ہاتھ میں کبھی چیز نہ تھماتے۔ تیسری بار بھی وہ ایسا ہی کرتا تو فرماتے: کوئی چیز لیتے یا دیتے وقت دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے۔

مسند احمد ج ۵/ص ۳۱۱ پر رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

"إذا أكل أحدكم فلا يأكل بشماله وإذا شرب فلا يشرب بشماله وإذا أخذ فلا يأخذ بشماله وإذا أعطى فلا يعطى بشماله"

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز کھائے یا پیئے تو بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، پیئے اور نہ ہی کوئی چیز لیتے یا دیتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرے۔''

مولانا موصوف جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا پی رہا ہے تو بڑے اچھے انداز سے اسے روکتے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازے کے موقع پر عبدالقادر نامی شخص بہت رو رہا تھا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا: ایک دفعہ میں بائیں ہاتھ سے کھا پی رہا تھا، مولانا مرحوم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے عبدالقادر! اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لئے

www.KitaboSunnat.com

دایاں ہاتھ بنایا ہے، بایاں ہاتھ استنجاء جیسے کاموں کے لئے ہے۔ آپ کی اس بات کو میں نے پلے باندھ لیا اور کبھی اس کی مخالفت نہیں کی، آپ کی وہ نصیحت آج مجھے بہت یاد آ رہی ہے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

"إذا انتعل أحدكم فليبدأ باليمنٰى وإذا انتزع فليبدأ بالشمال لتكن اليمنىٰ أولهما تنعل والٰخرهما تنزع" (صحیح بخاری: ۵۸۵۶) ''جوتا پہنتے وقت دایاں پاؤں جوتے میں پہلے داخل کیا جائے اور اُتارتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالا جائے یعنی جوتا پہنتے وقت دائیں پاؤں سے ابتدا کی جائے، اور اتارتے وقت بائیں پاؤں سے۔''

مولانا موصوف اس حکم کے سخت پابند تھے، ان کے صاحبزادے کا کہنا ہے کہ وفات سے کچھ عرصہ قبل جب بیماری کی وجہ سے نڈھال ہوگئے تو ان کے لئے جوتا پہننا یا اُتارنا بھی دشوار ہوگیا تھا، جب ہم جلد بازی میں جوتا پہناتے وقت بائیں پاؤں سے ابتدا کرتے یا اُتارتے وقت دائیں پاؤں کا جوتا پہلے اُتارنا چاہتے تو پاؤں پیچھے ہٹا لیتے۔ ان کے اس فعل سے ہمیں محسوس ہوجاتا کہ ہم غلطی کر رہے ہیں لہٰذا سنت کے مطابق ہم اپنے عمل کو درست کرتے۔

عام طور پر وہ چادر اور کرتہ زیبِ تن کرتے تھے، ان کی چادر کی مقدار فقط اتنی ہوتی جو ٹخنوں پر نہ لٹک سکے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار" (صحیح بخاری: ۵۷۸۷)

''جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے چھوڑا جائے گا تو (لٹکانے والے کی) وہ جگہ آگ میں جلائی جائے گی''

مولانا موصوف ایامِ مرض میں جب خود خریداری سے عاجز آ گئے تو بازار سے چادر خرید کر لانے والے کو بلا کر سمجھاتے کہ چادر کا طول اور عرض اس قدر ہونا چاہئے اور فرماتے چادر اس سے بڑی نہیں ہونی چاہئے تاکہ وہ بھول کر بھی ٹخنوں سے نیچے نہ لٹک سکے اور ان کے اس اہتمام کا یہ نتیجہ تھا کہ ہم نے کبھی ان کا تہبند ٹخنوں پر لٹکتا نہیں دیکھا۔

توکل علی اللہ

مولانا کے استغناء کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ اپنے ربّ تعالیٰ کے دربار میں دستِ سوال دراز کرتے، لوگوں سے کبھی سوال نہ کرتے تھے۔ انہیں اس بات پر پورا یقین حاصل تھا کہ جب

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا ضامن ہے تو لوگوں سے مانگنے کی ضرورت کیا ہے؟ ان کے بیٹے محمد عبداللہ کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ مسجد کا بل زیادہ آ گیا، تو میں نے نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر مسجد میں اعلان کردیا کہ اس دفعہ بل زیادہ آیا ہے، آپ حضرات اس وقت تک باہر نہ جائیں جب تک بل پورا نہیں ہوجاتا، اس پر لوگوں نے بھرپور تعاون کیا اور ضرورت سے زیادہ رقم جمع ہوگئی۔ جب گھر آئے تو غصہ کی حالت میں کہا: کیا جو لوگ مسجد میں نماز پڑھنے آجائیں ان کے کپڑے اُتروا لئے جاتے ہیں؟ جمعہ پڑھنے کے لئے صرف مقامی لوگ ہی نہیں آتے، بلکہ دور دراز سے بھی لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ نے بل کی رقم سب سے وصول کرلی ہے جبکہ مسجد میں بجلی یا گیس سے صرف مقامی لوگ استفادہ کرتے ہیں، اور فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ہماری تمام ضروریات پوری کرتا ہے تو اسے چھوڑ کر لوگوں سے سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے!؟

فیاضی اور فراخدلی

مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد عبداللہ کے بقول چند افراد نے ان کی زمین سے ایندھن چرا لیا، اور وہ گٹھے اپنے سروں پر اٹھا کر چل دیے۔ محمد عبداللہ کو پتہ چلا تو وہ ان سب کو گھیر کر اپنے گھر مولانا موصوف کے پاس لے آئے۔ مولانا تشریف لائے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ ایندھن چرانے والے مجرم ہیں، مقصد یہ تھا کہ آپ انہیں کوئی سزا دیں گے، لیکن اس کے برعکس مولانا موصوف نے ان لوگوں سے کہا: کیا آپ لوگوں نے کھانا کھایا ہے؟ اور اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: جائیں ان کو کھانا کھلائیں، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو ان سب سے کہا: اپنے ایندھن کے گٹھے اٹھا کر لے جائیں۔ ان سے کہا گیا: یہ لوگ مجرم ہیں اور آپ انہیں چھوڑ رہے ہیں، فرمایا یہ ضرورت مند ہیں تبھی تو ایندھن اٹھانے پر مجبور ہوئے، اگر ہم نہیں دیں گے تو یہ کہاں سے لیں گے۔ موجودہ دور میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو مجرموں کے ساتھ ضرورتمندوں جیسا سلوک کرتے ہیں اور ان کے جرم کو نظر انداز کردیتے ہیں.....!!

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے دو ہزار روپیہ بطورِ قرض مانگا، جبکہ ان کے پاس اس وقت اتنی رقم موجود نہیں تھی، وہ شخص واپس چلا گیا، جبکہ دل میں تمنا یہ تھی کہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے، کیونکہ آپ کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ واپس کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تھوڑی

www.KitaboSunnat.com

دیر بعد ایک دوسرا شخص چار ہزار روپے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یہ آپ کا قرضہ ہے جو میں واپس کرنے آیا ہوں، آپ نے وہ رقم لے کر اس میں سے دو ہزار روپے اپنے ایک عزیز کو دے کر اس ضرورت مند کے پیچھے بھیجا جو آپ سے یہ رقم بطورِ قرض لینے کے لئے حاضر ہوا تھا، اور اسے یہ رقم اس کے گھر پہنچائی جبکہ عام لوگ رقم موجود بھی ہو تو دینے سے کنی کترا جاتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ نجانے یہ واپس بھی کرے گا یا نہیں؟ لیکن آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور اس کی ضرورت کو بروقت پورا کرنے کی کوشش کی۔

غلط بیانی سے نفرت

کذب بیانی اور جھوٹ کبیرہ گناہوں سے ہے۔ مولانا موصوف کو اس سے سخت نفرت تھی، اپنا نقصان گوارا کر لیتے تھے لیکن غلط بیانی کا ارتکاب نہ کرتے تھے۔ ایک ایسا شخص آپ سے رقم حاصل کرنے کے لئے آن پہنچا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ رقم لے کر واپس نہیں کرتا۔ ساتھیوں نے مولانا کو آکر آگاہ کیا کہ اسے پیسے دے کر ضائع نہ کرنا، یہ شخص قرضہ لے کر واپس نہیں کرتا۔ اس نے آپ سے پانچ سو روپے کا مطالبہ کیا، آپ نے جیب کی طرف دیکھ کر کہا: پانچ سو روپے تو اس وقت نہیں ہیں، اس نے کہا: جو ہیں وہی دے دو، آپ نے جیب سے تین سو روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیے، وہ رقم لے کر چلتا بنا، ساتھیوں نے مولانا سے کہا: اب ان پیسوں کو بھول جائیں، یہ آپ کو اب کبھی نہیں ملیں گے، آپ ایسے لوگوں کو پیسے کیوں دیتے ہیں جو واپس نہیں کرتے۔ فرمایا: کیا کریں، اگر ہاں کریں تو پیسے نہیں بچتے، نہ کریں تو ایمان نہیں بچتا، کیونکہ پیسے ہوتے ہوئے اگر کہا جائے: نہیں ہیں تو یہ جھوٹ ہے جو ایمان کو ضائع کر دیتا ہے!

دعوتِ دین میں حکمت

کسی شخص کو اس کی غلطی پر سرِعام ٹوکنا ان کی عادت کے خلاف تھا۔ کسی آدمی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو تنہائی میں اسے بڑے احسن انداز سے سمجھا دیتے، ان کی مسجد میں اگر مقرر سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اسے وہیں گرفت نہیں کرتے تھے، بلکہ گھر میں لاکر بیٹھک میں بٹھاتے، چائے وغیرہ سے اس کی تواضع کرتے، اور وہی مسئلہ شروع کر دیتے جس میں غلطی

www.KitaboSunnat.com

واقع ہوئی ہوتی اور فرماتے: فلاں کتاب میں یہ مسئلہ ہم نے یوں پڑھا ہے، شاید آپ کے علم میں ہو، یوں اسے حوالہ سمیت صحیح بات کی طرف رہنمائی کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بے نماز شخص آپ کی دعوت سے پکا نمازی بن گیا اور پنج وقتی نماز بروقت ادا کرنے لگا۔ تقریباً ایک ماہ تک وہ سرگرمی سے نماز باجماعت ادا کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے مسجد میں آنا چھوڑ دیا اور نماز ترک کر دی، تو مولانا مرحوم کو اس کا سخت رنج ہوا۔ اس پریشانی کے عالم میں اس کے گھر پہنچ گئے، دروازے پر دستک دی، اس آدمی نے دروازہ کھولا اور عزت و احترام سے اپنے گھر بٹھایا، اور کہا: حضرت کیسے آنا ہوا؟ آپ نے جواب دیا: میں آپ سے افسوس کرنے آیا ہوں۔ اس نے سوچ و بچار کے بعد کہا: مولانا! میرے ہاں کوئی افسوسناک واقعہ رونما نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے کوئی ایسا کاروبار کیا ہے جس میں مجھے نقصان لاحق ہوا ہو، افسوس کس بات پر؟ آپ نے فرمایا: آپ نے نماز شروع کی تھی، پھر چھوڑ دی، کوئی شخص جب کوئی کاروبار کرتا ہے اور اسے اس میں فائدہ ہو تو وہ اس میں مزید ترقی کرتا ہے، اسے ترک نہیں کرتا، وہ اسے تب ہی چھوڑے گا جب اسے اس میں نقصان ہو، آپ کو بھی نماز پڑھنے میں نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے، اسی لئے آپ نے نماز چھوڑی ہے۔ اس پر میں آپ سے اظہارِ افسوس کے لئے حاضر ہوا ہوں، وہ آدمی بہت شرمندہ ہوا اور ندامت سے سر جھکا لیا، اور آئندہ اس نے نماز پابندی کے ساتھ پڑھنے کا وعدہ کیا۔

شرک و بدعت سے بیزاری

مولانا موصوف کے ایک شاگرد محمد عبداللہ کے بقول ایک دفعہ مولانا کو بتایا گیا کہ چک نمبر ۴۶ کے قریب ایک پیلو کا درخت ہے جس کی پوجا پاٹ کی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں ایک بزرگ رہتا ہے اور وہ اس درخت کے نیچے چراغ جلاتے ہیں۔ فرمایا: اس درخت کو کاٹ کر اس کا خاتمہ کرنا ضروری ہے، ورنہ یہ رفتہ رفتہ شرک کا گڑھ بن جائے گا، انہوں نے اپنے چند نوجوان شاگردوں کو ساتھ لیا اور آرے، کلہاڑے لے کر وہاں پہنچ گئے اور اس درخت کو کاٹنا شروع کر دیا۔ خود آپ نے اس درخت کے ارد گرد تلاوتِ قرآن شروع کر دی، تاکہ کوئی شیطانی اثر نہ ہو۔ آس پاس کے لوگوں نے آ کر انہیں ڈرایا کہ یہاں بابا رہتا

www.KitaboSunnat.com

ہے، وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا لہٰذا اسے نہ کاٹو۔ مولوی عبداللہ نے کہا: آج ہمارا بابے سے مقابلہ ہے، دیکھتے ہیں، کون جیتتا ہے؟ لوگوں نے کہا: بابا تمہاری ٹانگیں توڑ دے گا، لڑکوں نے کہا جب ہم اسے چھوڑیں گے نہیں تو ٹانگیں کیا توڑے گا، جب آدھے کے قریب درخت کاٹ دیا گیا تو لوگ ششدر رہ گئے۔ جو بیٹھے دیکھ رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ یہ لڑکے آج زندہ بچ کر نہیں جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس دیکھا کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا تو بھاگ کر گئے اور اپنے ساتھ اپنے ہم خیال بہت سے دیگر لوگوں کو بلا کر لے آئے۔ اور وہ سب مل کر مزاحمت کرنے لگے اور انہیں درخت کاٹنے سے روک دیا۔ لڑکوں نے کہا: ہمیں اپنے مدرسہ میں ایندھن کی ضرورت ہے، اس لئے یہ درخت کاٹنا ضروری ہے، لوگوں نے کہا: ایندھن کے لئے ہمارے فلاں فلاں درخت کاٹ لیجئے، اسے چھوڑ دیجئے۔ لڑکوں نے کہا: ہمیں اسی درخت کے ایندھن کی ضرورت ہے مگر علاقے کے لوگوں نے اسے کاٹنے میں سخت مزاحمت کی تو مولانا نے فرمایا: یہ درخت جس شخص کی زمین میں ہے، اس سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ اجازت دے گا تو کاٹ لیں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔ وہ درخت عبدالغنی نامی آدمی کے رقبے میں تھا، اس سے پوچھا تو اس نے کہا: مولوی جی! آپ لوگ درخت کاٹ کر چلے جاؤ گے اور میری شامت آجائے گی، بابا میرے بیوی بچوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور انہیں بیمار کردے گا۔ مولانا نے جواب دیا: عبدالغنی! بابا آپ کے پیچھے نہیں پڑے گا بلکہ جو لوگ درخت کاٹ کر لے جائیں گے ان کا پیچھا کرے گا، اس نے کہا: مولوی جی! آپ درخت نہ کاٹیں مجھے اپنا ڈر ہے تو مولانا موصوف اپنے شاگردوں کے ساتھ کاٹا ہوا ایندھن لے کر واپس آ گئے۔

تواضع وانکساری

کسی شخص کو آپ سے کوئی کام درپیش ہوتا یا وہ آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو آپ اس کے پاس بیٹھ جاتے اور جب تک وہ خود اُٹھ کر نہ جاتا اس کے پاس بیٹھے رہتے، بعض دفعہ آپ مرض کی وجہ سے تکلیف کا شکار ہوتے لیکن اپنے ہم نشین کو اپنی تکلیف محسوس نہ ہونے دیتے تھے۔

درس گاہ کے لڑکوں کے لئے بعض دفعہ ناشتہ کا انتظام کرتے تو اپنے گھر میں سالن تیار کرواتے اور سالن کی ہنڈیا اور روٹیاں خود اٹھا کر گھر سے مدرسہ میں لاتے، اور اپنے ہاتھ سے

www.KitaboSunnat.com

طلبہ میں تقسیم کرتے، بعض اوقات کھانے کی تقسیم کسی لڑکے کے حوالے کردیا کرتے تھے۔

درس گاہ کے بالکل متصل ایک حنفی بزرگ اپنے ایک کمرے میں رہائش پذیر تھے جن کی طبیعت میں کافی سختی اور تلخی پائی جاتی تھی اور وہ بیوی بچوں کے بغیر اکیلے ہی رہتے تھے۔ کئی دفعہ وہ بزرگ، لڑکوں سے اُلجھ پڑتے تو آپ کبھی جوابی کارروائی نہیں کرتے تھے۔ جب یہ بزرگ اپنے بڑھاپے کی عمر میں بیمار پڑ گئے تو آپ اپنے گھر سے کھانا پکوا کر اسے پیش کرتے، حتیٰ کہ جب وہ خود کھانا کھانے سے عاجز آ گئے تو ان کے منہ میں نوالے ڈالنے سے بھی مولانا مرحوم گریز نہ کرتے اور یہ سلسلہ اس بزرگ کی موت تک جاری رہا۔

طلبہ کی خدمت کو وہ اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، مجھے یاد ہے جب راقم الحروف ان کی درسگاہ میں داخل ہوا، اس وقت ذرائع مواصلات ناپید تھے۔ سڑکیں اور راستے کچے تھے، ہم پیدل چل کر اپنے گاؤں سے درس گاہ تک پہنچتے تھے، جب کبھی چھٹیوں کے دنوں میں مدرسہ سے گھر جاتے تو استاذ موصوف اپنی سائیکل پر ہمیں گاؤں کے قریب چھوڑ کر واپس لوٹ جاتے تھے حالانکہ درس گاہ سے ہمارا گاؤں سولہ، سترہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمالِ صالحہ کو اُستاذِ محترم کے لئے جنت الفردوس میں بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔ آمین!

والدہ کی تربیت

بچوں کی صحیح تربیت میں ماں، باپ کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے، اور اگر وہ بچے کی تربیت کو نظر انداز کردیں تو ایسے بچے معاشرے کے لئے ہی نہیں بلکہ ماں، باپ کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں مولانا موصوف کے والدِ گرامی تو ان کے بچپن میں ہی رحلت فرما گئے تھے، لہٰذا ان کی تربیت والدہ محترمہ نے کی جو آنکھوں سے نابینا تھیں اور حافظِ قرآن تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں باطنی بصیرت سے نوازا تھا، انہوں نے اپنے لختِ جگر کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کو صرف کردیا اور اسے دین اسلام کا مبلغ بنانے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو وقف کردیا۔ مولانا موصوف خود بتایا کرتے تھے کہ والدہ نے مجھے تحصیل علم کی غرض سے ایک درس گاہ میں بھیجا، وہاں گھروں سے خود جا کر کھانا لانا پڑتا تھا۔ سردی کے موسم میں

www.KitaboSunnat.com

میں ایک گھر سے برتن اٹھائے کھانا لینے گیا تو دیکھا گھر والے آرام سے بیٹھے آگ تاپ رہے ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں زمیندار گھرانے کا فرزند ہوں اور ہمارا رقبہ بھی کافی ہے اور یہاں میں لوگوں کے گھروں سے برتن اُٹھائے روٹی لاتا ہوں، گھر گیا تو والدہ سے کہہ دیا کہ میں اب نہیں جاؤں گا، وہاں تو گھروں سے کھانا لانا پڑتا ہے، والدہ نے ڈانٹتے ہوئے کہا: آٹا گھر سے لے جایا کر اور وہاں اپنی روٹی پکا کر کھا لیا کر مگر خبردار! آئندہ یہ نہ کہنا کہ میں پڑھنے کے لئے نہیں جاؤں گا۔ آخر انہیں والدہ کے حکم پر طلبِ دین کے لئے جانا پڑا۔

والدہ محترمہ انہیں دینِ متین کی بے لوث خدمت کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان آئے تو تنگدستی کا سامنا تھا، لوگ اپنے تمام مال و متاع کو خیر باد کہہ کر یہاں پہنچے تھے۔ میاں چنوں شہر میں جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب اور نامور عالم دین مولانا عبدالقادر زیرویؒ نے مولانا سے کہا: آپ یہاں ہمارے ہاں آ کر تدریس کیا کریں، آپ کا علم تازہ رہے گا اور علمی سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوگا اور آپ کو ماہوار ڈیڑھ سو روپے تنخواہ دی جائے گی۔ آپ اس پر آمادہ ہوگئے، گھر آ کر والدہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: یحییٰ! ہم نے آپ کو اس لئے نہیں پڑھایا کہ آپ پیسے لے کر دین کا کام کریں، آپ پڑھائیں ضرور، لیکن تدریس کے بدلہ میں آپ نے لینا کچھ نہیں۔ گھر سے کھانا کھا کر جائیں اور دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ لے جایا کریں، اور تنخواہ لینے کا خیال چھوڑ دیں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور بغیر کسی معاوضہ کے وہاں تدریس کرتے رہے۔

احفظِ اللہ یحفظك

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جن پند و نصائح سے نوازا تھا ان میں ایک نصیحت یہ تھی: یا غلام! احفظ اللّٰہ یحفظك (ترمذی، مستدرک حاکم: ۵۴۱/۳) ''اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ کے دین کی حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے جان و مال کا محافظ بن جائے گا۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰ اِحیاے دین کی تڑپ رکھتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جان و مال کی حفاظت کی۔ جس کی مثال یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے گاؤں ۱۲۶ کے

www.KitaboSunnat.com

رہنے والے 'لالو تیلی' کا کہنا ہے اور اس نے یہ واقعہ خود سنایا کہ ایک دفعہ مولانا کے کھیت میں چارہ بہت خوب تھا، سرسبز وشاداب لہلہاتا ہوا چارہ دیکھ کر میں رہ نہ سکا اور میں نے وہ چارہ چُرا کر اپنے جانوروں کو کھلانے کا تہیہ کرلیا، اور مجھے معلوم ہوا کہ مولانا موصوف لیہ کے علاقے کی طرف سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا میں نے ان کے سفر پر روانہ ہونے کے بعد چارہ کاٹ کر اپنی بکریوں کو چرانے کا عزم کرلیا۔ جب مجھے پتہ چلا کہ مولانا لیہ کے سفر پر روانہ ہوچکے ہیں تو میں شام کے وقت چارہ کاٹنے کے لئے ان کے کھیت میں گیا، وہاں جا کر مجھے مولانا صاحب سامنے کھڑے دکھائی دینے لگے۔ میں واپس آ گیا اور فیصلہ کیا کہ آدھے گھنٹے کے بعد پھر ادھر آؤں گا جب وہ یہاں سے گھر چلے جائیں گے۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد میں ان کے کھیت میں پہنچا تو مولانا ویسے ہی مجھے سامنے کھڑے دکھائی دے رہے تھے، میں پھر واپس ہوگیا اور دل میں یہ خیال تھا کہ آخر یہ جائیں گے تو کچھ دیر بعد واپس آ کر چارہ کاٹوں گا۔ کافی دیر بعد جب میں کھیت کی طرف لوٹا تو سامنے مولانا صاحب مجھے ویسے ہی کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ میں گاؤں واپس آ گیا اور مولانا صاحب کے بارہ میں پتہ کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ تو کل گذشتہ لیہ کے سفر پر روانہ ہوچکے ہیں، تب سے میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ اب کبھی بھی مولانا صاحب کے کھیت کا بُرے ارادے سے رُخ نہیں کروں گا۔

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ آپ دین الٰہی کی حفاظت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے جان ومال کا محافظ بن جائے گا۔

وفات

آخر اس ولی صفت شخصیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا بلاوا آ گیا اور مولانا محمد یحییٰ فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ موافق ۶/نومبر ۲۰۰۳ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے اور اپنے پیچھے ایک لڑکا پانچ لڑکیوں اور ان کی والدہ کو غمزدہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور أعلیٰ علیین میں ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین! ☆☆

www.KitaboSunnat.com

اِداریات — شاہد حنیف شاہد

اِشاریہ ماہنامہ مُحدّث لاہور

جنوری ۲۰۰۳ء تا دسمبر ۲۰۰۳ء.....جلد ۳۵ / عدد ۱ تا ۱۲

ایمان وعقائد

اسلم صدیق/مبشر حسین	قربِ قیامت کی پیش گوئیاں (رپورٹ مذاکرہ)	مئی	۶۷تا۸۵
حسن مدنی، حافظ	آزمائشیں کیا صرف 'دعا' سے ٹل سکتی ہیں؟	جون	۲تا۲۳

اُصولِ تفسیر

عبدہ الفلاحؒ، محمد	قرآن فہمی کے بنیادی اُصول اور لغتِ عرب	ستمبر	۱۴تا۲۴

حدیث وسنت

کامران طاہر، ملک	خطباتِ حجۃ الوداع، احادیث کی روشنی میں!	جنوری	۶تا۲۸
عصمت اللہ، ڈاکٹر	غزوۂ ہند کا تعین اور اس کی فضیلت	اگست	۳۲تا۵۶
عطیہ انعام الٰہی، مسز	حبِ رسول ﷺ اور اس کے عملی تقاضے	مئی	۳۱تا۵۲

فقہ واجتہاد

ثناء اللہ ضیاء، مولانا	نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا؟ (احناف کے دلائل پر ایک نظر)	اپریل	۵۶تا۷۴
ثناء اللہ مدنی، حافظ	فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا؟	مئی	۱۷تا۳۰
ثناء اللہ مدنی، حافظ	'الصلوٰۃ خیر من النوم' فجر کی کس اذان میں؟	اگست	۵۶تا۶۵
غازی عزیر	مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم (۲/اقساط)	جنوری،فروری	کل:۳۴
کامران طاہر، محمد	عیدالاضحیٰ اور عشرۂ ذوالحجہ کے احکام ومسائل	جنوری	۲۹تا۳۱
مبشر حسین لاہوری	اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اور چند جدید مسائل (۲/اقساط)	نومبر، دسمبر	کل:۴۱
مبشر حسین لاہوری	محرم الحرام کے فضائل ومسائل اور صومِ عاشوراء	اپریل	۴۲تا۵۵
نجیب الرحمٰن کیلانی	عشاء کی نماز کا مستحب وقت.....؟	اپریل	۳۷تا۴۱

علم وتعلّم

اکرم وِرک، محمد	ہجرتِ نبوی سے قبل اہم دعوتی وتعلیمی مراکز	فروری	۲۱تا۴۵
آصف احسان، حافظ	عصرِ حاضر، فروعی تنازعات اور علماء	اگست	۱۳تا۲۴

شرک وبدعت

مبشر حسین لاہوری	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے عقائد اور انکے عقیدتمندوں کی غلو کاریاں	اگست	۶۶تا۱۰۶

تصویر وطن

ظفر علی راجا	اصلی آئین سے ریفرنڈم تک ! [بسلسلہ ایل ایف او]	نومبر	۲تا۱۹
ظفر علی راجا	مولانا اعظم طارقؒ کا قتل ،فرقہ وارانہ انتقام یا عالمی سازش؟	اکتوبر	۱۱تا۱۶
عطاء اللہ صدیقی، محمد	دورِ حاضر میں نفاذِ اسلام ؛ایک آدرش ،ایک چیلنج !	جنوری	۲تا۵
عطاء اللہ صدیقی، محمد	صوبہ سرحد میں متحدہ مجلس عمل کی حکومتی ترجیحات	فروری	۲تا۲۰

عالم اسلام

ارشاد احمد حقانی	عراق میں پاکستانی فوج بھیجنے کا مسئلہ	اگست	۱۱
حسن مدنی، حافظ	عراق میں پاکستانی فوج بھیجنے کا مسئلہ	اگست	۲تا۱۰
صہیب حسن، ڈاکٹر	دعائیں کیوں بے اثر رہیں؟ نصرتِ الٰہی کیوں نہ آئی؟ (سقوطِ بغداد)	مئی	۲تا۱۰
عطاء اللہ صدیقی، محمد	مسئلہ عراق ،اُمتِ مسلمہ اور پاکستان !	اپریل	۲تا۲۱
عطاء اللہ صدیقی، محمد	اسرائیل کو تسلیم کرانے کی دل آزار مہم	اکتوبر	۲تا۱۰
عطاء اللہ صدیقی، محمد	یہودیوں کے حق تولیت کے 'اِشراق' علمبردار (۲/اقساط)	نومبر، دسمبر	کل:۴۴

اسلام اور مغرب

الیاس ندوی، محمد	مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے !	مئی	۵۲تا۵۸
حسن مدنی، حافظ	اسلامی تہوار اور دم توڑتی تہذیبی روایات	دسمبر	۲تا۵
صہیب حسن، ڈاکٹر	صلیب و ہلال کی کشمکش ؛ جنگِ عراق کے تناظر میں	مئی	۵۹تا۶۶
عبدالمجیب	مغربی جمہوریت یا اسلامی شورائیت (آئینہ تاریخ میں پاکستان کی ضرورت)	اکتوبر	۴۰تا۵۰
عطاء اللہ صدیقی، محمد	فکری محکومی کا انجام کب ہوگا ؟	ستمبر	۲تا۱۳
محمد علی قصوریؒ، مولانا	حضرت عیسیٰؑ میں قرآن کی رو سے اُلوہی صفات (۴/اقساط)	اپریل تا اگست	کل:۴۰
مہاتیر محمد، ڈاکٹر	مغرب کے ساتھ تہذیب و اَقدار کی کشمکش	ستمبر	۵۶تا۷۰

اسلام اور سائنس

حسن مدنی، حافظ	کلوننگ کیا ہے؟ آسان الفاظ میں !	جنوری	۷۰تا۷۱
ریاض الحسن نوری	'صحیح سائنسی علم' اسلام کا ہم نوا ہوتا ہے !	ستمبر	۷۲تا۸۰
عزیز الرحمٰن، سید	مذہب اور سائنس کا باہمی تعلق (اسلام کا نقطہ نظر)	اپریل	۷۶تا۹۱
نثار احمد، ڈاکٹر	کلوننگ کا سائنسی عمل ؛ تعارف و تجزیہ	جنوری	۵۳تا۷۰

دارالافتاء [از شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ]

آگ سے پکی سلوں یا لکڑی کو قبر میں استعمال کرنا ؟	نومبر	۲۰
اذانِ تہجد اور صفیں سیدھی کرنا وغیرہ سے متعلق سوالات	نومبر	۲۳تا۲۵
ازراہِ تفریح لڈو، تاش اور شطرنج کھیلنے کا حکم	فروری	۴۹

	باپ کا قاتل بیٹا اس کی وراثت کا حقدار نہیں بن سکتا؟	نومبر	۲۱
	پرانی مسجد کو گرا کر توسیع کرنا اور اسکی جگہ مدرسہ بنانا؟	اپریل	۳۵
	جنین میں روح پڑنے سے قبل اسقاطِ حمل کا حکم	فروری	۴۸
	عمر میں چھوٹے رشتہ داروں کے سر پر پیار دینا؟	اپریل	۳۶
	غصب شدہ زمین پر نماز جائز نہیں، امام کا بے وضو نماز پڑھانا؟	اپریل	۳۵
	قرآن پڑھ کر دم کرنا، قرآنی تعویذ کے جواز کے متعلق؟	اپریل	۳۳
	قربانی کی کھال اور سر فروخت کرنے کا حکم	فروری	۴۶
	کیا آدمی ربیبہ سے اپنی فوت شدہ بیوی کے بیٹے کی شادی کرواسکتا ہے؟	فروری	۴۹
	کیا عمرہ واجب ہے؟ حج کے ساتھ ہی عمرہ کرنے کا حکم	فروری	۴۷تا۴۸
	گانا فحش اور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں تو جائز ہے؟	فروری	۴۹
	گمشدہ شوہر کے بارے میں حکم/سرخ یا ناسی کلر کا خضاب لگانا؟	اپریل	۳۱
	مدرسہ کیلئے وقف شدہ جگہ پر دوسرے تعلیمی و دینی کام کرنا؟	اپریل	۳۴
	وراثت کا مسئلہ/مکان گروی لینے یا دینے کی حیثیت؟	اپریل	۳۲
شرعی فقہا اسمبلی، امریکہ	مغربی ممالک کے مسلمانوں کے بعض روزمرہ مسائل کا حل (۲/اقساط)	ستمبر، اکتوبر	کل: ۶۳

سیر وسوانح / تذکرۃ المشاہیر

ادارہ	ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ کا سانحۂ ارتحال	جون	۹۵
خورشید احمد، پروفیسر	ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ	فروری	۶۹تا۷۶
رمضان سلفی، مولانا	مولانا محمد یحییٰ فیروز پوریؒ (۱۹۲۴ء تا ۲۰۰۳ء)	دسمبر	۵۱تا۶۱
عظیم ترمذی	ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ.....ایک عہد آفرین شخصیت	فروری	۶۵تا۶۸
مبشر حسین لاہوری	مولانا وحید الزمانؒ کا عقیدہ و مسلک	جنوری	۷۲تا۷۹

رپوتاژ/متفرقات

ادارہ	بین الاقوامی جامعات میں تعلیمی وظائف کیلئے مقابلہ کا امتحان	اکتوبر	۶۱
اصغر علی کوثر وڑائچ	عالم اسلام میں اسالیبِ قراءتِ قرآن کا فروغ و ابلاغ	اکتوبر	۶۲تا۶۴
الطاف حسین حالیؒ	محدثین (نظم)	اپریل	۷۵
انوار اللہ، میاں	اسلام آباد میں علماءِ اہلحدیث کا حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے کنونشن	اکتوبر	۵۱تا۶۰
عبدالسلام فتح پوری	مجلس التحقیق الاسلامی.....رفتارِ کار (موسوعہ قضائیہ)	مئی	۸۶تا۹۶
علیم ناصری	نعتیہ شہر آشوب (۲/اقساط)	جون، اگست	کل: ۳۳
عظیم ترمذی	مذاکرہ 'پاکستان میں نفاذِ اسلام کی ترجیحات'	فروری	۷۷تا۸۰
ادارہ	محدث کا ریکارڈ رکھنے والے قارئین توجہ فرمائیں!	اگست	۱۲
ادارہ	'محدث' کے بارے میں قارئین اور معاصر جرائد کی آرا	جون	۷۹تا۹۵

حنیف شاہد	اشاریہ ماہنامہ محدث لاہور (جنوری ۲۰۰۳ء تا دسمبر ۲۰۰۳ء)	دسمبر	۶۲ تا ۶۴

اشتہارات

ادارہ	الفوز اکیڈمی (۳۰ روزہ رہائشی تربیتی کورس)	مئی	۶۶
ادارہ	الفوز اکیڈمی (۳۰ روزہ رہائشی تربیتی کورس)	جون	۷۶
ادارہ	داخلے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد	جون	۳۹
ادارہ	ردِّ مرزائیت پر لٹریچر مفت حاصل کریں	اگست	۱۲۸
ادارہ	کاروانِ لبیک (عمرہ و حج سروسز، عمرہ پیکج)	اگست	۶۵
ادارہ	منشورات (کتبِ مولانا مودودیؒ)	ستمبر	۷۱
ادارہ	ہمدرد (سعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صدوری)	جنوری	۸۰
ادارہ	ہمدرد (روح افزا)	اکتوبر	۳۹
ادارہ	ہمدرد (روح افزا)	جون	۷۸
ادارہ	ہمدرد (نئی کارینا)	اپریل	۹۲
ادارہ	ہمدرد (نئی کارینا)	فروری	۶۴

LRL No. 183
Vol. 35 NO. 12

Ph: 5866476
5866396

Monthly MUHADDIS Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے..... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

..... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے
زرِسالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

www.mohaddis.com